ثنائے پروردگار

از کلام امام العارفین امیر المومنین

حضرت علی بن ابیطالب صلوات اللہ وسلامہ علیہ

ترجمہ وحواشی:

سید العلماء مولانا سید علی نقی النقوی

فہرست:

تعارف:

چہاردہ سالہ یادگار مرتضوی کے موقع پر یہ رسالہ جو پیش کیا جارہا ہے ایک عظیم الشان سلسلہ کا آغاز ہے۔

جناب سید رضی اعلی اللہ مقامہ کا یہ یادگار کارنامہ تھا کہ انہوں نے امیرالمؤمنین علیہ السلام کے کلام کو جس کے لئے ادباء کا یہ مقولہ ہے کہ وہ "تحت کلام الخالق و فوق کلام المخلوق" ہے، یکجا کرکے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا مگر یہ ضرورت شدید طور پر محسوس ہوتی تھی کہ اسے موضوعات کی ترتیب کے ساتھ مرتب و مدون کیا جاتا۔

اب جناب سید العلماء مدظلہٗ نے اس کارنامہ کی ابتدا کر دی ہے جس کا پہلا حصہ جو الہیات کے عظیم مسائل پر مشتمل ہے "ثنائے پروردگار" کے زیر عنوان پیش کیا جارہا ہے۔ اس کے ساتھ ترجمہ اور مختصر حواشی بھی سرکار سید العلماء کے قلم سے ہیں جو عظیم ادبی اور علمی خصوصیات کے حامل ہیں۔

امید ہے کہ افراد قوم اس رسالہ کی صحیح طور پر قدر کریں گے اور اس کی بیش از بیش اشاعت کی کوشش فرمائیں گے۔

خادم ملت

سید ابن حسین نقوی سیکرٹری امام مشن لکھنؤ

۱۳رجب ۷۶ ۱۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ علی سید المرسلین و آلہ الطاھرین

(۱)

خطبہ ۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَا یَبْلُغُ مِدْحَتَهُ الْقَآئِلُوْنَ، وَ لَا یُحْصِیْ نَعْمَآئَهُ الْعَادُّوْنَ وَ لَا یُؤَدِّیْ حَقَّهُ الْمُجْتَهِدُوْنَ، الَّذِیْ لَا یُدْرِكُهُ بُعْدُ الْهِمَمِ، وَ لَا یَنَالُهُ غَوْصُ الْفِطَنِ، الَّذِیْ لَیْسَ لِصِفَتِهٖ حَدٌّ مَّحْدُوْدٌ، وَ لَا نَعْتٌ مَّوْجُوْدٌ، وَ لَا وَقْتٌ مَّعْدُوْدٌ، وَ لَاۤ اَجَلٌ مَّمْدُوْدٌ. فَطَرَ الْخَلَآئِقَ بِقُدْرَتِهٖ، وَ نَشَرَ الرِّیَاحَ بِرَحْمَتِهٖ، وَ وَتَّدَ بِالصُّخُوْرِ مَیَدَانَ اَرْضِهٖ. اَوَّلُ الدِّیْنِ مَعْرِفَتُهٗ، وَ كَمَالُ مَعْرِفَتِهِ التَّصْدِیْقُ بِهٖ، وَ كَمَالُ التَّصْدِیْقِ بِهٖ تَوْحِیْدُهٗ، وَ كَمَالُ تَوْحِیْدِهِ الْاِخْلَاصُ لَهٗ، وَ كَمَالُ الْاِخْلَاصِ لَهٗ نَفْیُ الصِّفَاتِ عَنْهُ، لِشَهَادَةِ كُلِّ صِفَةٍ اَنَّها غَیْرُ الْمَوْصُوْفِ، وَ شَهَادَةِ كُلِّ مَوْصُوْفٍ اَنَّهٗ غَیْرُ الصِّفَةِ. فَمَنْ وَّصَفَ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ فَقَدْ قَرَنَهٗ، وَ مَنْ قَرَنَهٗ فَقَدْ ثَنَّاهُ، وَ مَنْ ثَنَّاهُ فَقَدْ جَزَّاَهٗ، وَ مَنْ جَزَّاَهٗ فَقَدْ جَهِلَهٗ، وَ مَنْ جَهِلَهٗ فَقَدْ اَشَارَ اِلَیْهِ، وَ مَنْ اَشَارَ اِلَیْهِ فَقَدْ حَدَّهٗ، وَ مَنْ حَدَّهٗ فَقَدْ عَدَّهٗ، وَ مَنْ قَالَ: "فِیْمَ؟" فَقَدْ ضَمَّنَهٗ، وَ مَنْ قَالَ: "عَلَامَ؟" فَقَدْ اَخْلٰی مِنْهُ.

كَآئِنٌ لَّا عَنْ حَدَثٍ، مَّوْجُوْدٌ لَّا عَنْ عَدَمٍ، مَعَ كُلِّ شَيْءٍ لَا بِمُقَارَنَةٍ، وَ غَيْرُ كُلِّ شَيْءٍ لَّا بِمُزَايَلَةٍ، فَاعِلٌ لَّا بِمَعْنَى الْحَرَكَاتِ وَ الْاٰلَةِ.[1]

ہر قسم کی تعریف اللہ کے لئے ہے جس کی تعریف تک کلام کرنے والوں کی رسائی نہیں[2]

اور جس کے نعمت و احسان کی شمار کرنے والوں میں سمائی نہیں[3] اور جس کے حق کی کوشش کرنے والوں سے ادائی نہیں۔[4]

---

[1] نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ج۱ ص ۱۵

[2] اس لیے بھی تکلم پابند مقصور ہے اور اس کے کمال کا پورا تصور ہی افراد مخلوق سے ممکن نہیں اور اس لئے بھی کہ الفاظ وعبارات تمام کے تمام وضع ہوئے ہیں نقائص سے گھرے ہوئے ان معانی کے لئے جو ہمارے حدود نظر میں آتے رہے ہیں لہٰذا خالق کی ذات تک جو ان تمام نقائص سے مبرا ہے ان کے مفاہیم کی رسائی غیر ممکن ہے۔

[3] جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لا تُحْصُوها" اس کی نعمتوں کا احصاء ہمارے لئے ممکن نہیں اس بنا پر کہ ہماری اطلاع حدود زمان و مکان میں محصور ہے اور اللہ کی نعمتیں اس قید سے آزاد پھر یہ کہ ہم خود اپنی ہستی کے تمام اسرار پر محیط نہیں تو صرف ایک نفس میں ہمارے کائنات عالم کے کتنے اجزاء کا دخل ہے اسی کا سمجھنا ہماری دسترس سے باہر ہے چہ جائیکہ ہماری مجموعی زندگی اور پھر ہمارے وجود کے وہ اسباب جو ہماری ہستی کی منزل کو قریب لانے میں کارفرما رہے اور وہ ہمارے حدود ادراک واطلاع سے بالکل خارج ہیں۔

[4] نہ حق معرفت نہ حق اطاعت اور نہ حق شکر اور اسی کا کمال احساس تھا جس کی بنا پر معصومین تک اس کی بارگاہ میں ہمیشہ تضرع وزاری کے ساتھ توبہ واستغفار میں مصروف رہتے تھے۔

وہ کہ ہمتوں کی بلندی اس تک جا نہیں سکتی اور عقول بشری کی غوطہ زنی اسے پا نہیں سکتی[1]

وہ جس کی توصیف کے لئے کوئی حد مقرر نہیں اور کوئی لفظیں موجود نہیں۔[2]

کوئی وقت ابتدا کا نہیں[3]

اور کوئی مدت انتہا کی نہیں[4]

اس نے کائنات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا[5]

---

[1] ہمت کا تعلق حرکت و عمل سے ہے اور عقل کی غوطہ زنی کا تصور و ادراک سے ہے اس لئے پہلے فقرہ میں فریب مکانی اور نیز مقابلہ اور مماثلت کی نفی ہے اور دوسرے میں احاطہ تصوری کی۔

[2] حد نہیں لہذا پورا تصور ہی نہیں ہو سکتا اور لفظی نہیں لہذا جتنا تصور بھی ہو جائے اس کا اظہار ناممکن۔

[3] کیونکہ وہ ازلی ہے یعنی ہمیشہ سے ہے۔

[4] اس لیے کہ وہ ابدی ہے یعنی ہمیشہ ہمیشہ موجود رہنے والا ہے، کبھی اس کو فنا نہیں۔

[5] یعنی اس کو اشیاء کی تخلیق میں مادہ کی ضرورت نہیں تاکہ مادہ کو ازلی ماننا لازم ہو نیز یہ کہ عالم اس کی ذات کا طبعی اثر نہیں ہے تاکہ ذات کے ساتھ اسے بھی قدیم مانا جائے بلکہ اس کی قدرت و اختیار کا نتیجہ ہے لہذا جب چاہا وہ اسے وجود میں لایا۔

اور ہواؤں کو اپنی رحمت سے منتشر کیا[1]

پہاڑوں سے اپنی زمین کی ڈگمگاہٹ میں میخوں کا کام لیا[2]

دین کی پہلی منزل اس کی معرفت ہے[3]

اور اس کی معرفت کا لازمی جزو اس کی تصدیق ہے[4]

اور تصدیق کا لازمی جزو اس کی وحدت کا اقرار ہے[5]

اور وحدت کے اقرار کا تتمہ اس کی بارگاہ میں خلوص ہے[6]

---

[1] نمایاں طور پر ہوا کا اس لئے ذکر کیا کہ زی روح کی بقا کے لیے سب سے ضروری چیز ہوا ہے اور اسی لیے اس کے واسطے منتشر کرنے کا وصف بیان ہوا کہ کوئی مقام اس سے خالی نہیں ہے۔ خلائق کو پیدا کرنا کمال قدرت کا ظہور ہے اور ان کے بقا کا سامان پہلے سے مہیا کر دینا رحمت کا مظاہرہ ہے جو ربوبیت کے ماتحت ہے۔

[2] قرآن میں بھی ہے "والجبال اوتادا" اس کی تفصیل خود نہج البلاغہ کے ایک دوسرے خطبہ میں یہ ہے کہ جب پانی پر زمین قائم ہوئی تو وہ مضطرب یعنی ڈانواں ڈول تھی۔ پہاڑوں کے بار سے اس میں ثبات و قیام پیدا ہوا۔

[3] کیونکہ بھیجنے والی کی ہستی ہی جب تک معلوم نہ ہو رسالت کیسی اور شریعت کہاں کی اور پابندی کس طرف سے اور پھر جزا و سزا کا کیا سوال؟

[4] شک اور تذبذب کی منزل تک تصور رہتا ہے۔ ایمان بغیر تصدیق کے حاصل نہیں ہو سکتا جو اس کے وجود اور کردگاری کو دل سے مان لینے کے ساتھ وابستہ ہے۔

[5] کئی میں کا ایک ماننا حقیقت میں اس ایک کا نہ ماننا ہے جو کسی حیثیت سے اپنا شریک نہیں رکھتا پھر تصدیق اس کی کہاں رہ گئی؟

[6] عبادت کا خلوص بھی جس سے بت پرستی کا سد باب ہو جائے اور معرفت کا خلوص بھی جس سے خود اس کی ذات میں کسی قسم کی شرکت کا تصور باقی نہ رہ جائے۔

اور خلوص کا ضروری تکملہ اس سے صفات کی نفی ہے[1]

کیونکہ ہر صفت اس کی مظہر ہوتی ہے کہ وہ موصوف کی غیر ہے اور ہر موصوف اس کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ صفت کے علاوہ ہے[2]

تو جس نے اللہ کے لئے اوصاف قرار دیئے اس نے اس کا ساتھی بنا دیا[3]

اور جس نے اس کا ساتھی تجویز کر لیا اس نے اسے ایک سے زیادہ مان لیا[4]

اور جس نے ایک سے زیادہ مان لیا اس نے اس کے اجزاء قرار دے لئے[5]

اور جس نے اس کے اجزاء قراردے لئے وہ اس سے بالکل بے خبر ہو گیا[6]

---

[1] مقام معرفت میں خلوص اسی وقت ہو گا جب اس کی ذات میں صفات کی آمیزش تسلیم نہ کی جائے اس لئے کہ اگر اس کی ذات کے ساتھ آٹھ صفتیں اور ہو گئیں جیسا کہ متنسبین اسلام کی اکثریت کا قول ہے تو اس کی وحدت کا پورا اقرار ہوا ہی نہیں۔

[2] یہ کہنا کہ صفات اس کے عین ذات ہیں اس معنی سے درست ہے کہ ذات کے علاوہ صفات کے وجود ہی سے انکار کیا جائے ورنہ صفت صفت ہوتے ہوئے عین ذات ہو ہی نہیں سکتی۔لہٰذا صفات کو ماننے کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ انہیں زائد بر ذات مانا جائے تو وہ سب خرابیاں لازم آئیں گی جن کا اس کے بعد تذکرہ کیا گیا ہے۔

[3] ذات اور اس کے ساتھ اس کے اوصاف جو مثل ذات قدیم ہیں۔

[4] کم از کم نو(۹) جبکہ صفات کی تعداد آٹھ (۸) مانی جائے مگر چونکہ معیار بطلان میں عدد کی خصوصیت کو دخل نہیں ہے بلکہ دو(۲) مان لینا اتنا ہی باطل ہے جتنا دو کروڑ ماننا اس لیے جناب امیر علیہ السلام نے خصوصیت عدد کو نظر انداز کرتے ہوئے ہوئے "ثناہ" کی لفظ فرمائی ہے جس کا مطلب یہی ہوا کہ اسے ایک سے زیادہ مانا۔

[5] ذات اور صفات جس کے لئے منطقی طور پر مابہ الاشتراک اور مابہ الامتیاز سے ترکب لازم ہے۔

[6] کیونکہ وہ وہی ہے جو بسیط حقیقی ہے جس کے اجزاء نہیں ہیں۔

اور جو اس سے بے خبر ہو گیا اس نے اسے اشارہ کے قابل سمجھا[1]

اور جس نے اسے اشارہ کے قابل سمجھ لیا اس نے اسے محدود مان لیا اور جس نے اسے محدود مان لیا وہ اسے اور دوسری چیزوں کی قطار میں لے آیا[2]۔

اور جس نے کہا وہ کاہے میں ہے اس نے اسے کسی ظرف میں سمجھ لیا اور جس نے کہا وہ کاہے پر ہے تو اس نے کہیں کہیں اس سے خالی ہونے کا تصور کرلیا۔ وہ ہے اس طرح نہیں کہ ہوا ہو۔ موجود ہے ایسا نہیں کہ پہلے سے معدوم ہو[3]۔

[1] اشارہ کے قابل جسم ہوتا ہے اور مرکب ہونا جسمیت کا مستلزم ہے۔

[2] اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جیسے سب چیزیں حادث ہیں وہ ہی وہ بھی حادث ہوا اور اس کا محتاج ہوا کہ کوئی دوسرا خالق اسے حیز وجود میں لائے پھر وہ خدا نہیں۔

[3] دوسرا فقرہ پہلے کی شرح ہے "ہے اور ہوا نہیں" کا مطلب یہی ہے کہ وہ موجود ہے مگر ایسا نہیں کہ نیستی کے بعد ہستی سے متصف ہوا ہو بلکہ وہ سراسر ہستی ہے نیستی کا اس میں گذر نہیں اور اسی لئے وہ اپنے کمال میں محتاج اوصاف نہیں جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

ہر چیز کے ساتھ ہے مگر اتصال جسمانی کے ساتھ نہیں اور ہر شے سے الگ ہے مگر جسمانی جدائی کی صورت سے نہیں۔ کاموں کا کرنے والا ہے مگر اس معنی سے نہیں کہ اس میں حرکتیں پیدا ہوں اور وہ ذرائع کا محتاج ہو۔

(۲)

خطبہ ۲

اَحۡمَدُهُ اسۡتِتۡمَامًا لِّنِعۡمَتِهٖ، وَ اسۡتِسۡلَامًا لِّعِزَّتِهٖ، وَ اسۡتِعۡصَامًا مِّنۡ مَّعۡصِيَتِهٖ، وَاَسۡتَعِيۡنُهٗ فَاقَةً اِلٰى كِفَايَتِهٖ. اِنَّهٗ لَا يَضِلُّ مَنۡ هَدَاهُ، وَلَا يَئِلُ مَنۡ عَادَاهُ، وَلَا يَفۡتَقِرُ مَنۡ كَفَاهُ، فَاِنَّهٗ اَرۡجَحُ مَا وُزِنَ، وَاَفۡضَلُ مَا خُزِنَ. وَاَشۡهَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ، شَهَادَةً مُّمۡتَحَنًا اِخۡلَاصُهَا، مُعۡتَقَدًا مُّصَاصُهَا، نَتَمَسَّكُ بِهَآ اَبَدًا مَّآ اَبۡقَانَا، وَنَدَّخِرُهَا لِاَهَاوِيۡلِ مَا يَلۡقَانَا، فَاِنَّهَا عَزِيۡمَةُ الۡاِيۡمَانِ، وَفَاتِحَةُ الۡاِحۡسَانِ، وَمَرۡضَاةُ الرَّحۡمٰنِ، وَمَدۡحَرَةُ الشَّيۡطٰنِ.[1]

اس کی ثناء و صفت کرتا ہوں اس کی نعمت تمام کرانے کے لئے[۲]

---

[1] نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ج ا ص ۳۱، یہ اس خطبہ کا ابتدائی حصہ ہے جو صفین سے واپسی کے وقت حضرت (ع) نے ارشاد فرمایا۔

[۲] وہ ثناء وصفت جو کسی ولی نعمت کی ہو حمد ہونے کے ساتھ شکر کا مصداق ہوتی ہے اور شکر کا نتیجہ یہ بتایا گیا ہے کہ لئن شکرتم لازیدنکم، اگر شکرادا کروگے تو اور زیادہ عطا ہوگا۔ اس طرح یہ ثناء وصفت مزید تمامی نعمت کا ذریعہ ہوتی ہے۔

اور اس کی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا مظاہرہ کے طور پر[1]

اور اس کی معصیت سے تحفظ حاصل کرنے کی خاطر[2]

اور اس سے مدد چاہتا ہوں اس بنا پر کہ میں اس کی دستگیری کا محتاج ہوں[3]

یقینا جس کی وہ خصوصی ہدایت کر دے[4]

وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا اور جس کا وہ دشمن ہو جائے[5]

وہ کبھی پناہ نہیں پائے گا اور جس کا وہ دستگیر ہو وہ کسی کا محتاج نہیں ہوگا۔

بے شک یہ ثناء و صفت میزان عمل میں ہر عمل سے گراں تر اور ہر

---

[1] یہ سبب وہ ہے جو حمد کو بجائے خود ضروری قرار دیتا ہے قطع نظر اس سے کہ اس پر کیا فائدہ مترتب ہوتا ہے۔ یہ فریضہ عبودیت کا ادا کرنا ہے۔

[2] یہ نفسیاتی اثر ہے جو حمد پر مترتب ہے کہ اس سے نفس میں عظمت الٰہی کا احساس تازہ ہوتا رہتا ہے جو معصیت سے مانع ہے۔ واضح ہونا چاہئے کہ یہ فقرہ حمد کا بذات خود اثر ظاہر کرنے کے لئے ہے قطع نظر اس سے کہ ان الفاظ کا متکلم خود معصوم یعنی معصیت سے لازمی طور پر بری ہے۔

[3] یہ احتیاج امکان کا لازمہ ہے جس کے لحاظ سے قرآن میں آیا ہے: والله الغنی وانتم الفقراء۔

[4] یہ خصوصی ہدایت خیر کی راہ میں انسان کی ذاتی جدوجہد سے اس کے استحقاق کی بنا پر شامل حال ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا جو ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں انہیں ہم اپنے راستوں کی طرف خصوصی ہدایت شامل حال کرتے ہیں۔

[5] یہ دشمنی اس کی بداعمالی پر غضب کی صورت میں ہوتی ہے۔

اندوختہ سے بہتر ہے اور میں اقرار کرتا ہوں کہ کوئی سچا معبود نہیں سوائے اللہ کے جو اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ایسا اقرار جس کا خلوص آزمایا ہوا اور جس کا کھرا پن مانا ہوا ہے۔ ہم اس اقرار سے وابستہ رہیں گے ہمیشہ جب تک جان میں جان ہے اور اسے ذخیرہ کریں گے ان ہولناک مراحل کے لئے جو ہمیں درپیش ہوں گے کیونکہ یہ ایمان کا مستحکم عقیدہ اور حسن عمل کا سرنامہ[1]

اور رضائے پروردگار کا وسیلہ اور شیطان کے دور کرنے کا ذریعہ ہے[2]

---

[1] جیسا کہ اس کے خطبہ میں آچکا ہے: اول الدین معرفته، حسن عمل دین سے وابستہ ہے اور دین کی پہلی منزل اللہ کی معرفت ہے۔

[2] اللہ کا عقیدہ ہی وہ ہے جو انسان کو جذبات نفس کی رو میں چلنے سے روکتا ہے۔ جذبات نفس کے تقاضوں سے انسان کا بچانا ہی شیطان کو دور کرتا ہے۔

(۳)

خطبہ ۴۹

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ بَطَنَ خَفِیَّاتِ الۡاُمُوۡرِ، وَ دَلَّتۡ عَلَیۡهِ اَعۡلَامُ الظُّهُوۡرِ، وَ امۡتَنَعَ عَلٰی عَیۡنِ الۡبَصِیۡرِ. فَلَا عَیۡنُ مَنۡ لَّمۡ یَرَهٗ تُنۡکِرُهٗ، وَ لَا قَلۡبُ مَنۡ اَثۡبَتَهٗ یُبۡصِرُهٗ. سَبَقَ فِی الۡعُلُوِّ فَلَا شَیۡءَ اَعۡلٰی مِنۡهُ، وَ قَرُبَ فِی الدُّنُوِّ فَلَا شَیۡءَ اَقۡرَبُ مِنۡهُ. فَلَا اسۡتِعۡلَآؤُهٗ بَاعَدَهٗ عَنۡ شَیۡءٍ مِّنۡ خَلۡقِهٖ، وَ لَا قُرۡبُهٗ سَاوَاهُمۡ فِی الۡمَکَانِ بِهٖ. لَمۡ یُطۡلِعِ الۡعُقُوۡلَ عَلٰی تَحۡدِیۡدِ صِفَتِهٖ، وَلَمۡ یَحۡجُبۡهَا عَنۡ وَّاجِبِ مَعۡرِفَتِهٖ. فَهُوَ الَّذِیۡ تَشۡهَدُ لَهٗ اَعۡلَامُ الۡوُجُوۡدِ، عَلٰٓی اِقۡرَارِ قَلۡبِ ذِی الۡجُحُوۡدِ. تَعَالَی اللّٰهُ عَمَّا یَقُوۡلُ الۡمُشَبِّهُوۡنَ بِهٖ وَ الۡجَاحِدُوۡنَ لَهٗ عُلُوًّا کَبِیۡرًا!.[1]

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو اسرار پوشیدہ کی گہرائی میں اترا ہوا ہے[۲]

---

[۱] نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ص ۱۰۷

[۲] اس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اسرار پوشیدہ کی انتہائی تہوں سے واقف ہے مگر دوسرے فقرہ کے ساتھ تقابل کی بنا پر یہ مفہوم زیادہ درست معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کنہ حقیقت اسرار مخفی کی انتہائی گہرائی میں ہے جس تک رسائی کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

اور عالم شہود کی نشانیاں اس کا پتہ دے رہی ہیں[1]

مگر وہ خود دیکھنے والوں کی آنکھ کے قابو سے باہر ہے[2]

تو نہ اس شخص کی آنکھ جس نے اسے دیکھا نہیں اس کے انکار کا حق رکھتی ہے اور نہ اس کا دل جو اس کے وجود کا اقرار رکھتا ہے اس کے دیکھنے کا دعویدار ہے[3]۔

وہ بلندی میں سب سے آگے ہے تو کوئی چیز اس سے زیادہ بلند نہیں اور پاس ہونے میں سب سے نزدیک ہے تو کوئی چیز اس سے زیادہ نزدیک نہیں تو نہ اس کی بلندی نے اس کے کسی مخلوق سے اسے دور کر دیا ہے اور نہ اس کی نزدیکی نے اسے مکان میں اس کے برابر بنا دیا ہے[4]۔

---

[1] یعنی وہ اس کی ہستی کو بتا رہی ہیں اسی عام اصول پر کہ نقش بغیر نقاش کے اور اثر بغیر مؤثر کے نہیں ہو سکتا۔

[2] اس کا دیدار نہیں ہو سکتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں اس لئے کہ اسے نہ دیکھ سکنا اگر ہمارے قصور نظر کا نتیجہ ہوتا تو باعتبار زبان و مکان اس میں فرق ہو سکتا تھا مگر وہ تو اس کے "امتناع ذات" کا نتیجہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی ذات پر زمان و مکان کا فرق کبھی اثر انداز نہیں ہوتا۔

[3] مقصد یہ ہے کہ تصدیق عقلی اور مشاہدہ بصری میں کوئی تلازم نہیں ہے لہٰذا نہ دوسرے کی نفی پہلے کی نفی کو مستلزم ہے اور نہ پہلے کا ثبوت دوسرے کے ثبوت کا باعث ہے۔ بعض کتابوں میں یہ فقرہ اس طرح ہے: "نہ اس شخص کا دل جس نے اسے دیکھا نہیں اس کا انکار کرتا ہے اور نہ اس کی آنکھ جو اس کے وجود کا اقرار کرتا ہے اس کا مشاہدہ کرتی ہے"۔

[4] اس بنا پر کہ نہ وہ بلندی جسمانی ہے نہ نزدیکی۔ وہ بلندی باعتبار شرف وجوب ہے اور یہ نزدیکی بلحاظ احاطہ علم و قدرت۔

اس نے عقلوں کو اپنی صفت کی حد بندی سے واقف نہیں کیا ہے اور انہیں بقدر ضرورت معرفت سے روکا نہیں ہے[1]

وہ ذات وہ ہے جس کے لئے وجود کی نشانیاں ہٹ دھرمی سے اس کے انکار کرنے والے کے بھی دلی اقرار کی گواہی دیتی ہیں[2]۔

برتر ہے اللہ اور بہت برتر ان باتوں سے جو اس کے ساتھ اس کے غیر کو مشابہ قرار دینے والے (مشرکین) اور اس کا ہٹ دھرمی سے انکار کرنے والے (ملحدین) اس کی نسبت زبان پر لاتے ہیں۔[3]

---

[1] یہ نتیجہ ہے ابتدا کے دونوں فقروں کے اس مفہوم کا جسے ہم نے معرفت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

[2] بعض لوگ "شعوری" طور پر اس کے وجود کے منکر بھی ہیں۔ مگر دلائل اتنے قوی ہیں اور ان کا اثر انسانی تحت الشعور میں اتنا راسخ ہے کہ ان منکرین کا دل بھی لاشعوری طور پر اس کا اقرار کرتا ہے۔

[3] یہ بھی بطور لف و نشر سابق کلمات ہیں کے نتیجے ہیں۔ " وہ اسرار پوشیدہ کی گہرائی میں اترا ہوا ہے"۔ بلندی میں سب سے آگے اور عقول اس کی صفت کی حد سے واقف نہیں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تعالی عما یقول المشبھون علوا کبیرا دوسری چیزوں کو اس کے مثل و مانند قرار دینے والوں کے مزعومات سے برتر ہے۔ اور عالم شہود کی نشانیاں اس کا پتا دیتی ہیں۔ " سب سے نزدیک ہے ایسا کہ کوئی اس سے زیادہ نزدیک نہیں " اور اس نے انہیں بقدر ضرورت اپنی معرفت سے محروم نہیں کیا۔ اس لئے تعالی عما یقول الجاحدون علوا کبیرا وہ ہٹ دھرمی سے انکار کرنے والوں کی باتوں سے بالاتر ہے۔

(۴)

خطبہ ۶۳

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَسْبِقْ لَهٗ حَالٌ حَالًا، فَیَكُوْنَ اَوَّلًا قَبْلَ اَنْ یَّكُوْنَ اٰخِرًا، وَ یَكُوْنَ ظَاهِرًا قَبْلَ اَنْ یَّكُوْنَ بَاطِنًا.

كُلُّ مُسَمًّى بِالْوَحْدَةِ غَیْرُهٗ قَلِیْلٌ، وَ كُلُّ عَزِیْزٍ غَیْرُهٗ ذَلِیْلٌ، وَ كُلُّ قَوِیٍّ غَیْرُهٗ ضَعِیْفٌ، وَ كُلُّ مَالِكٍ غَیْرُهٗ مَمْلُوْكٌ، وَ كُلُّ عَالِمٍ غَیْرُهٗ مُتَعَلِّمٌ، وَ كُلُّ قَادِرٍ غَیْرُهٗ یَقْدِرُ وَ یَعْجِزُ، وَ كُلُّ سَمِیْعٍ غَیْرُهٗ یَصَمُّ عَنْ لَّطِیْفِ الْاَصْوَاتِ، وَ یُصِمُّهٗ كَبِیْرُهَا، وَ یَذْهَبُ عَنْهُ مَا بَعُدَ مِنْهَا، وَ كُلُّ بَصِیْرٍ غَیْرُهٗ یَعْمٰى عَنْ خَفِیِّ الْاَلْوَانِ وَ لَطِیْفِ الْاَجْسَامِ، وَ كُلُّ ظَاهِرٍ غَیْرُهٗ غَیْرُ بَاطِنٍ، وَ كُلُّ بَاطِنٍ غَیْرُهٗ غَیْرُ ظَاهِرٍ. لَمْ یَخْلُقْ مَا خَلَقَهٗ لِتَشْدِیْدِ سُلْطَانٍ، وَ لَا تَخَوُّفٍ مِنْ عَوَاقِبِ زَمَانٍ، وَ لَا اسْتِعَانَةٍ عَلٰى نِدٍّ مُّثَاوِرٍ، وَ لَا شَرِیْكٍ مُّكَاثِرٍ، وَ لَا ضِدٍّ مُّنَافِرٍ، وَ لٰكِنْ خَلَآئِقُ مَرْبُوْبُوْنَ، وَ عِبَادٌ دَاخِرُوْنَ، لَمْ یَحْلُلْ فِی الْاَشْیَآءِ فَیُقَالَ: هُوَ فِیْهَا كَآئِنٌ، وَ لَمْ یَنْاَ عَنْهَا فَیُقَالَ: هُوَ مِنْهَا بَآئِنٌ. لَمْ یَؤُدْهُ خَلْقُ مَا ابْتَدَاَ، وَ لَا تَدْبِیْرُ مَا ذَرَاَ، وَ لَا وَقَفَ بِهٖ عَجْزٌ عَمَّا خَلَقَ، وَ لَا وَلَجَتْ عَلَیْهِ شُبْهَةٌ فِیْمَا قَضٰى وَ قَدَّرَ، بَلْ قَضَآءٌ

مُّتْقَنٌ، وَ عِلْمٌ مُّحْكَمٌ، وَ اَمْرٌ مُّبْرَمٌ. اَلْمَاْمُوْلُ مَعَ النِّقَمِ، اَلْمَرْهُوْبُ مَعَ النِّعَمِ.[1]

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جہاں یہ بات ممکن نہیں کہ پہلے کچھ ہو اور بعد کو کچھ اور[۲]

پہلے اول ہو اور پھر آخر اور پہلے آشکار ہوا اور پھر پوشیدہ[۳]

اس کے سوا جسے ایک کہا جائے اس میں قلّت ہوگی اور اس کے سوا جو بھی غالب ہو وہ کبھی مغلوب ہو گا، اور اس کے سوا جو طاقتور ہو وہ کبھی کمزور ہو گا، اور اس کے سوا جو مالک ہوگا وہ کسی کا مملوک ہوگا، اور اس کے سوا جو عالم ہو وہ کسی دوسری سے علم حاصل کئے ہوئے ہو گا، اور اس کے سوا جو قادر ہو وہ کبھی قادر ہوگا اور کبھی عاجز، اور اس کے سوا جو سننے والا ہو

---

[۱] نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ج۱ ص ۱۲۱

[۲] کیونکہ تغیر وانقلاب دلیل حدوث ہے اور خالق متعال قدیم بالذات ہے۔

[۳] دوسروں کے لئے یہ صفات بطور تضاد ثابت ہوتے ہیں اس لئے ان میں نہ تبدیلی کا امکان ہے اور خالق پر ان اوصاف کا اطلاق باختلاف عبارات ہوتا ہے۔ اس لئے سب نام ایک ساتھ صادق آتے ہیں۔ وہ اول ہے بایں معنی کہ مبداء المبادی ہے اور آخر بایں معنی کہ غایت الغایات اور یہ دونوں باتیں ایک ساتھ ہیں۔ اسی طرح اول ہے ازلی ہونے کے لحاظ سے اور آخر ہے ابدی ہونے کے اعتبار سے اور ازلی و ابدی دونوں باتیں وجوب وجود کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے وہ ایک ہی ساتھ حاصل ہیں۔ اسی طرح آشکار ہونا آثار قدرت کے لحاظ سے ہے اور پوشیدہ ہونا کنہ ذات کے اعتبار سے اور یہ دونوں باتیں بھی ایک ہی ساتھ مجتمع ہیں۔

وہ بہت دھیمی آواز کے سننے سے قاصر اور بہت تیز آواز کی برداشت سے عاجز ہو گا اور جو دور آواز ہو وہ اسے سنائی نہ دے گی، اور اس کے سوا جو دیکھنے والا ہو وہ ہلکے رنگوں اور اور باریک چیزوں کے دیکھنے سے مجبور رہے گا، اس کے سوا جو آشکار ہو وہ پوشیدہ نہ ہوگا اور جو اس کے سوا پوشیدہ ہو وہ آشکار نہ ہوگا، اس نے جو کچھ پیدا کیا نہ اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لئے پیدا کیا نہ زمانہ کی نیرگیوں کا اندیشہ محسوس کرکے "داشتہ آید بکار" کے طور پر، اور نہ کسی حملہ آور حریف کثرت حشم وخدم میں مقابلہ کرنے والے ساجھی اور فخر و مباہات کے میدان میں آنے والے کسی مدمقابل کے مقابلہ میں قوت حاصل کرنے کے لئے بلکہ یہ تمام مخلوقات ہیں جن کی اسے تربیت کرنا ہے اور یہ سب کے اس کے بندے ہیں جو اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں وہ کائنات کی تمام چیزوں میں حلول کئے ہوئے نہیں ہے کہ کہا جائے وہ ان کے اندر ہے[1]

اور نہ ان سے دور ہے[2]

---

[1] اس میں "ھمہ اوست" کی بھی رو ہے جو صوفیہ اور حکماء کے ایک طبقہ کا مسلک ہے اور "تثلیث" کا بھی ابطال ہے جس کے نصاریٰ قائل ہیں اور "اوتار" کے عقیدہ پر بھی ضرب ہے جس کی ہندو جماعت اور نیز باطنیہ اسماعیلیہ وغیرہ معتقد ہیں۔

[2] کیونکہ دوری بھی صفات اجسام میں سے ہے اور نیز دوری سے علم و قدرت میں کمی کا تصور پیدا ہوتا ہے جو درست نہیں ہے بلکہ اس لحاظ سے وہ رگ گردن سے زیادہ قریب ہے۔

کہ کہا جائے وہ ان سے الگ ہے۔ جو کچھ اس نے پہلی ہی دفعہ[1] پیدا کردیا اس کے پیدا کرنے یا جو کچھ پیدا کرچکا ہے اس کے انتظام میں اسے کبھی کوئی زحمت پیش نہیں آئی اور نہ کسی مخلوق کے پیدا کرنے سے عاجزی کبھی اس کے سدراہ ہوئی اور نہ جو اس نے فیصلہ کئے اور مقدرات طے کئے ان میں اسے شک و شبہ ہوا بلکہ فیصلہ مضبوط، علم استوار اور معاملہ اٹل ہے۔ سختیوں اور عذابوں میں بھی اس سے امیدوار نعمتوں اور آسائشوں میں بھی اس کا آسرا ہے[2]۔

[1] یعنی بغیر نمونہ کے سامنے رکھے ہوئے۔

[2] یہی امید و بیم تقاضائے ایمان ہے اور اور اصلاح نفس کے لئے ان دنوں کی ضرورت ہے۔

(۵)

خطبہ ۸۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ عَلَا بِحَوْلِهٖ، وَ دَنَا بِطَوْلِهٖ. مَانِحِ كُلِّ غَنِيْمَةٍ وَّ فَضْلٍ، وَ كَاشِفِ كُلِّ عَظِيْمَةٍ وَ اَزْلٍ. اَحْمَدُهٗ عَلٰى عَوَاطِفِ كَرَمِهٖ، وَ سَوَابِغِ نِعَمِهٖ، وَ اُوْمِنُ بِهٖ اَوَّلًا بَادِيًا، وَ اَسْتَهْدِيْهِ قَرِيْبًا هَادِيًا، وَ اَسْتَعِيْنُهٗ قَادِرًا قَاهِرًا، وَ اَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ كَافِيًا نَاصِرًا.[1]

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو اپنی قوت و قدرت کے اعتبار سے تمام کائنات کی دسترس سے بالا ہے اوراپنے فیض و عطاکے لحاظ سے ہر ایک کے پاس ہے[2]

---

[1] نہج البلاغہ مطبوعہ مصرج ا ص ۱۴۳۔ یہ اس بسیط خطبہ کے ابتدائی فقرات ہیں جو "خطبہ عجیبہ" اور "خطبہ غراء" کے ناموں سے موسوم ہے۔

[2] ان دونوں فقروں میں صنعت طباق و تضاد اس طرح ہے کہ دسترس سے بالا ہونے کالازمہ بظاہر یہ ہونا چاہیے کہ ہم سے دور ہو اور جب دور ہو تو ہماری اچھائی برائی کی خبر بھی نہ رکھے مگر وہاں ایسا نہیں ہے وہ قدرت و قوت میں دسترس سے بالا ہونے کے باوجود فیض و عطاکے لحاظ سے ہر ایک کے پاس ہے۔ اور ہر دکھ درد سے ہمارے باخبر۔ اسی اعتبار سے قرآن میں ہے اقرب من حبل الورید، رگ گردن سے زیادہ نزدیک کہا گیا ہے۔ ان دونوں باتوں کااجتماع کسی مخلوق میں نہیں ہوتا۔ مخلوق تواگر ذرابڑااور طاقتور ہوتا ہے تو وہ کمزور اور پست افراد کی طرف نظر بھر کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔

ہر دولت و نعمت کا بخشنے والا اور ہر مصیبت اور سختی کا دور کرنے والا ہے[۱]۔

میں اس کی ثنا و صفت کرتا ہوں۔ اس کے فضل و کرم کی مہربانیوں اور اس کی بھرپور نعمتوں کی فراوانیوں کی بنا پر[۲]۔

اور ایمان لاتا ہوں اس پر کہ وہ ہر ایک سے مقدم اور نمایاں ہے۔ اور رہنمائی کا طلب گار ہوں اس سے کہ وہ قریب اور رہنمائی کا کفیل ہے اور مدد کا خواستگار ہوں اسی سے کہ وہ توانا اور زبردست ہے اور بھروسہ کرتا ہوں اس پر کہ وہی کافی ہے اور مدد پر تیار ہے۔

---

[۱] یعنی اس کی قدرت کسی دولت و نعمت کے بخشنے اور کسی مصیبت و سختی کے دور کرنے سے قاصر نہیں ہے۔ مگر وہ ایسا کرتا اسی حد تک ہے جس حد تک حکمت و مصلحت کے مطابق ہو۔

[۲] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حمد بر بنائے شکر ہے۔

(٦)

خطبہ ۸۳

وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ. اَلْاَوَّلُ لَا شَيْءَ قَبْلَهٗ، وَ الْاٰخِرُ لَا غَايَةَ لَهٗ. لَا تَقَعُ الْاَوْهَامُ لَهٗ عَلٰى صِفَةٍ، وَ لَا تُعْقَدُ الْقُلُوْبُ مِنْهُ عَلٰى كَيْفِيَّةٍ، وَ لَا تَنَالُهُ التَّجْزِئَةُ وَ التَّبْعِيْضُ، وَ لَا تُحِيْطُ بِهِ الْاَبْصَارُ وَ الْقُلُوْبُ.[1]

میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی سچا معبود نہیں سوائے اللہ کے جو ایک اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ پہلا ایسا جس کے پہلے کوئی چیز نہیں[۲]

اور آخری ایسا جس کی کوئی انتہا نہیں[۳]

تصورات اس کی کسی صفت کی تہہ تک پہنچ نہیں سکتے[۴]

اور دل اس کے لئے کسی کیفیت کو محسوس نہیں کر سکتے[۵]

---

[۱] نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ص ۱۶۱۔

[۲] کیونکہ ازلی ہے، ہمیشہ سے ہے۔

[۳] کیونکہ ابدی ہے اس کے لئے فنا نہیں۔

[۴] اس لئے کہ اس کے لئے ذات کے علاوہ صفات ہیں نہیں اور کنہ ذات کا اس کی تصور غیر ممکن ہے۔

[۵] کیونکہ کیفیات حادث ہوتے ہیں اور وہ ذات واجب میں قائم نہیں ہو سکتے۔

اور تقسیم و تجزیہ اسے پا نہیں سکتا[۱]

اور آنکھیں اور دل و دماغ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے[۲]

(۷)

خطبہ ۸۴

قَدْ عَلِمَ السَّرَآئِرَ، وَ خَبَرَ الضَّمَآئِرَ، لَهُ الْاِحَاطَةُ بِكُلِّ شَيْءٍ، وَ الْغَلَبَةُ لِكُلِّ شَيْءٍ، وَ الْقُوَّةُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ.[3]

وہ پوشیدہ رازوں باخبر اور دلوں کی باتوں سے واقف ہے۔ اس کے لئے احاطہ ہے ہر شے پر اور غلبہ ہے ہر چیز پر اور طاقت ہے ہر بات پر[۴]

---

[۱] کیونکہ اگر اجزاء سے مرکب ہو تو اجزاء کا محتاج قرار پائے اور تحلیل اس کی اجزاء کی طرف ہو سکے تو وہ جسم قرار پائے اور جسم کے لئے احتیاج لازم ہے۔

[۲] آنکھیں احاطہ نہیں کر سکتیں یہ "نفی رؤیت" ہے اور دل و دماغ احاطہ نہیں کر سکتے اس کے معنی وہی ہیں کہ اس کی کنہ حقیقت کا تصور غیر ممکن ہے۔

[۳] نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۶۲۔

[۴] اس فقرے کا پہلا جزو علم سے متعلق ہے اور دوسرے دونوں جزو قدرت سے۔ ان میں سے پہلے میں قدرت کا اظہار ہے مزاحم افراد اور اشیاء کے مقابلہ میں جو اس کے مقاصد میں سد راہ ہونا چاہئیں اور دوسرے میں قدرت کا اظہار ہے اس کے اپنے افعال میں جو اسے مطلوب ہوں۔

(۸)

خطبہ ۸۸

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَعْرُوْفِ مِنْ غَيْرِ رُؤْيَةٍ، وَ الْخَالِقِ مِنْ غَيْرِ رَوِيَّةٍ، الَّذِیْ لَمْ يَزَلْ قَآئِمًا دَآئِمًا، اِذْ لَا سَمَآءٌ ذَاتُ اَبْرَاجٍ، وَ لَا حُجُبٌ ذَاتُ اِرْتَاجٍ، وَ لَا لَيْلٌ دَاجٍ، وَ لَا بَحْرٌ سَاجٍ، وَ لَا جَبَلٌ ذُوْ فِجَاجٍ، وَ لَا فَجٌّ ذُو اعْوِجَاجٍ، وَ لَاۤ اَرْضٌ ذَاتُ مِهَادٍ، وَ لَا خَلْقٌ ذُوا اعْتِمَادٍ: ذٰلِكَ مُبْتَدِعُ الْخَلْقِ وَ وَارِثُهٗ، وَ اِلٰهُ الْخَلْقِ وَ رَازِقُهٗ، وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ دَآئِبَانِ فِیْ مَرْضَاتِهٖ: يُبْلِيَانِ كُلَّ جَدِيْدٍ، وَ يُقَرِّبَانِ كُلَّ بَعِيْدٍ. قَسَمَ اَرْزَاقَهُمْ، وَ اَحْصٰى اٰثَارَهُمْ وَ اَعْمَالَهُمْ، وَ عَدَدَ اَنْفَاسِهِمْ، وَ خَآئِنَةَ اَعْيُنِهِمْ وَ مَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ مِنَ الضَّمِيْرِ، وَ مُسْتَقَرَّهُمْ وَ مُسْتَوْدَعَهُمْ مِّنَ الْاَرْحَامِ وَ الظُّهُوْرِ، اِلٰۤى اَنْ تَتَنَاهٰى بِهِمُ الْغَايَاتُ.

هُوَ الَّذِی اشْتَدَّتْ نِقْمَتُهٗ عَلٰۤى اَعْدَآئِهٖ فِیْ سَعَةِ رَحْمَتِهٖ، وَ اتَّسَعَتْ رَحْمَتُهٗ لِاَوْلِيَآئِهٖ فِیْ شِدَّةِ نِقْمَتِهٖ، قَاهِرُ مَنْ عَازَّهٗ، وَ مُدَمِّرُ مَنْ شَاقَّهٗ، وَ مُذِلُّ مَنْ

نَّآوَاهُ، وَ غَالِبُ مَنْ عَادَاهُ. مَنْ تَوَكَّلَ عَلَيْهِ كَفَاهُ، وَ مَنْ سَئَلَهٗ اَعْطَاهُ، وَ مَنْ اَقْرَضَهٗ قَضَاهُ، وَ مَنْ شَكَرَهٗ جَزَاهُ.[1]

ہر طرح کی تعریف اللہ کے لئے ہے جو بغیر دیکھے جانا پہچانا ہوا اور بغیر سوچ بچار کے پیدا کرنے والا ہے[۲]

جو ہمیشہ سے قائم و برقرار رہا جب نہ آسمان تھا برجوں والا اور نہ پردے تھے بڑے پھاٹکوں والے[۳]۔

نہ سناٹے والی رات اور نہ تھما ہوا سمندر، نہ گھاٹیوں والے پہاڑ اور نہ پیچ وخم رکھنے والی گھاٹیاں، نہ بچھونے کی طرح والی زمین[۱]

---

[۱] نہج البلاغہ ج ا ص ۲۷۱۔

[۲] غور و فکر کی ضرورت ہو تو ایک احتیاج ہے اور احتیاج نقص ہے جس سے ذات الہی بری ہے۔ غور و فکر کی ضرورت علم حصولی نظری میں ہوتی ہے اور اللہ کا علم ہر شے کے بارے میں حضوری ہے اس لئے محتاج غور و فکر نہیں ہے۔ غور و فکر کو اگر کام میں تردد کے معنی میں لیا جائے تو وہ اس لیے وہاں نہیں کہیں کہ غور و فکر نتائج سے پورے طور پر عدم واقفیت اور جہات سے مصالح پر عدم احتیاط کی بناپر ہوتا ہے اور یہ دونوں باتیں جہالت میں داخل ہیں جو خالق متعال کے لئے ممکن نہیں۔

[۳] حجب اور سرادقات، پردوں اور سراپا پردوں کا ذکر اکثر کلمات معصومین علیہم السلام اور ادعیہ میں وارد ہے مگر ان کی حقیقت سمجھنے سے ہمارے افہام جو مادیت میں گھرے ہوئے ہیں، قاصر ہیں۔ پردے اور ان کے بڑے بڑے دروازے جن کے لیے ترجمہ میں ہم نے پھاٹک کی لفظ استعمال کی ہے پتہ دیتے ہیں کہ وہاں ایک شے محیط ہے جسے بطور پردہ سمجھا جائے اور پھر اس میں نفوذ کے وسیع راستے ہیں جنہیں ان کا پھاٹک سمجھا جائے۔

اور نہ قوت و طاقت والی مخلوق۔ وہی اس خلق کو نیستی سے ہستی میں لانے والا تھا اور وہی اس کے دوبارہ نیست ہونے کے بعد باقی رہنے والا ہے[2]۔

اور وہی اس مخلوق کا قبلہ حاجت اور اس کا ولی نعمت ہے اور آفتاب و ماہتاب جان کھپائے ہیں اسی کی خوشنودی میں[3]

اور وہ ہر نئے کو پرانا کرتے اور ہر تو دور کو نزدیک لاتے ہیں اس نے سب آدمیوں کی روزیاں تقسیم کیں اور وہ نہ ان کے واقعات کارناموں سانسوں کے شمار و دزدیدہ نگاہیوں، دلوں کی چھپی ہوئی نیتوں اور شکم مادر

---

[1] قرآن میں بھی زمین کو بچھونا کہا گیا ہے والارض مہادا۔ اسے کردیت زمین کے مخالف نہیں سمجھنا چاہیے اسی لئے قرآن وحدیث کی نظراس مصرف پر ہے جو زمین کا ہمارے لئے ہے۔ وہ پوری بطور کرہ طرح سہی مگر جو حصہ اس کا ہمارے تحت تصرف ہے وہ تو محسوس طور پر بصورت فرش ہی ہے۔

[2] یہ اسی کی دلیل ہے کہ وہ کوئی قوت نہیں جو اسی کائنات کے اندر جاری وساری ہو بلکہ وہ ایک ذات ہے جو اس کائنات سے بے نیاز طور پر موجود ہے۔

[3] یہ تسخیری اطاعت ہے جو کائنات کا ہر ذرہ کر رہا ہے مگر آفتاب و ماہتاب کے حرکات وافعال چونکہ نمایاں زیادہ ہیں اس لیے ان کی خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے۔

اور صلب پدر میں ان کے رہنے اور امانت رکھے جانے کے مقاموں سے لے کر ان کے آخری انجاموں تک پر پورا احاطہ رکھتا ہے[۱]۔

وہ وہ ہے کہ جس کا غضب اس کی وسعت رحمت کے باوجود اپنے دشمنوں پر بہت شدید ہے اور جس کی رحمت اس کی شدت غضب کے باوجود اپنے دوستوں پر نہایت وسیع ہے[۲]

وہ دبا دینے والا ہے اس کا جو عزت میں اس کا مقابلہ کرے اور تباہ کرنے والا ہے اس کا جو اس سے مخالفت کرے اور ذلیل کر دینے والا ہے اس کا جو اس سے لاگ ڈانٹ کرے اور غلبہ پانے والا ہے اس پر جو اس سے عداوت باندھے اور جو اس پر بھروسا کرے وہ اس کے لئے کافی ہے اور جو

---

[۱] اس سے ان فلاسفہ کی رد ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ خدا کو کلیات کا علم ہے جزئیات کا نہیں۔اسی لئے جزئیات کے بیان میں یہاں اور بعض دوسرے مقامات پر اس سے بھی زیادہ تفصیل سے کام لیا گیا ہے جو سننے والے کے ذہن میں زیادہ سے زیادہ اس حقیقت کو جاگزیں بنادے۔ درحقیقت انسان کو اپنے کردار میں محاسبہ کا اندیشہ جو اصلاح عمل کا محرک ہوتا ہے اس حقیقت کو سمجھنے سے وابستہ ہے کہ اللہ کو جزئی سے بھی جزئی بات کا علم ہوتا ہے۔

[۲] طبعی تقاضوں میں عموما یک رنگی ہوتی ہے۔خدا کی رحمت یا اس کا غضب کوئی طبعی تقاضا نہیں جس کا نتیجہ ہمیشہ ایک ہی طرح رونما ہو بلکہ وہ دونوں حکمت کا تقاضا ہیں اس لیے ان میں سے ہر ایک اپنے محل پر ثابت ہے۔

اس سے مانگے وہ اسے دیتا ہے اور جو اس کو قرضہ دے وہ اسے ادا کرتا ہے[1]

اور جو اس کی نعمتوں کا حق ادا کرے گا وہ اسے صلہ عطا کرے گا[2]

[1] قرآن میں خیر خیرات کی دعوت دیتے ہوئے یہ الفاظ صرف ہوئے ہیں واقرضوا اللہ قرضا حسنا۔ چونکہ قرضہ میں یہی ہوتا ہے کہ اپنے پاس سے اس وقت جاتا ہے اور ملتا بعد کو ہے۔ اسی طرح عمل خیر کی جزا اس وقت نہیں ملتی بعد کو ملے گی۔ اس لئے اس کو قرض سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرض کا ادا کرنا اس کی جزا کا دینا ہے جو بربنائے وعدہ اللہ کے لیے لازم ہے اور جس کا تخلف ممکن نہیں ہے۔

[2] نعمتوں کا حق ادا کرنا "شکر" ہے اور اس کا صلہ نعمتوں میں اضافہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: ولا ن شکرتم لازیدنکم۔

(۹)

خطبہ۸۹

تُعْرَفُ "بِخُطْبَةِ الْاَشْبَاحِ" وَ هِيَ مِنْ جَلَآئِلِ خُطَبِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ كَانَ سَئَلَهُ سَآئِلٌ اَنْ يّصِفَ اللهَ حَتّٰى كَاَنَّهُ يَرَاهُ عِيَانًا. فَغَضِبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِذٰلِكَ (وَ قَالَ:).

(الف):

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَا يَفِرُهُ الْمَنْعُ وَ الْجُمُوْدُ، وَ لَا يُكْدِيْهِ الْاِعْطَآءُ وَ الْجُوْدُ، اِذْ كُلُّ مُعْطٍ مُّنْتَقِصٌ سِوَاهُ، وَ كُلُّ مَانِعٍ مَّذْمُوْمٌ مَا خَلَاهُ، وَ هُوَ الْمَنَّانُ بِفَوَآئِدِ النِّعَمِ، وَ عَوَآئِدِ الْمَزِيْدِ وَ الْقِسَمِ، عِيَالُهُ الْخَلَآئِقُ، ضَمِنَ اَرْزَاقَهُمْ، وَ قَدَّرَ اَقْوَاتَهُمْ، وَ نَهَجَ سَبِيْلَ الرَّاغِبِيْنَ اِلَيْهِ، وَ الطَّالِبِيْنَ مَا لَدَيْهِ، وَ لَيْسَ بِمَا سُئِلَ بِاَجْوَدَ مِنْهُ بِمَا لَمْ يُسْئَلُ.

اَلْاَوَّلُ الَّذِىْ لَمْ يَكُنْ لَّهُ قَبْلٌ فَيَكُوْنَ شَيْءٌ قَبْلَهُ، وَ الْاٰخِرُ الَّذِىْ لَيْسَ لَهُ بَعْدٌ فَيَكُوْنَ شَيْءٌ بَعْدَهُ، وَ الرَّادِعُ اَنَاسِيَّ الْاَبْصَارِ عَنْ اَنْ تَنَالَهُ اَوْ تُدْرِكَهُ، مَا اخْتَلَفَ عَلَيْهِ دَهْرٌ فَيَخْتَلِفَ مِنْهُ الْحَالُ، وَ لَا كَانَ فِىْ مَكَانٍ فَيَجُوْزَ عَلَيْهِ الْاِنْتِقَالُ.

وَ لَوْ وَهَبَ مَا تَنَفَّسَتْ عَنْهُ مَعَادِنُ الْجِبَالِ، وَ ضَحِكَتْ عَنْهُ اَصْدَافُ الْبِحَارِ، مِنْ فِلِزِّ اللُّجَيْنِ وَ الْعِقْيَانِ، وَ نُثَارَةِ الدُّرِّ وَ حَصِيْدِ الْمَرْجَانِ، مَآ اَثَّرَ ذٰلِكَ فِيْ جُوْدِهٖ، وَلَآ اَنْفَدَ سَعَةَ مَا عِنْدَهٗ، وَلَكَانَ عِنْدَهٗ مِنْ ذَخَآئِرِ الْاِنْعَامِ مَا لَا تُنْفِدُهٗ مَطَالِبُ الْاَنَامِ. لِاَنَّهُ الْجَوَادُ الَّذِيْ لَا يَغِيْضُهٗ سُؤَالُ السَّآئِلِيْنَ، وَلَا يُبْخِلُهٗ اِلْحَاحُ الْمُلِحِّيْنَ.

(ب):

اسی خطبہ میں پھر ارشاد ہوتا ہے:

هُوَ الْقَادِرُ الَّذِيْٓ اِذَا ارْتَمَتِ الْاَوْهَامُ لِتُدْرِكَ مُنْقَطَعَ قُدْرَتِهٖ، وَ حَاوَلَ الْفِكْرُ الْمُبَرَّاُ مِنْ خَطَرَاتِ الْوَسَاوِسِ اَنْ يَّقَعَ عَلَيْهِ فِيْ عَمِيْقَاتِ غُيُوْبِ مَلَكُوْتِهٖ، وَ تَوَلَّهَتِ الْقُلُوْبُ اِلَيْهِ لِتَجْرِيَ فِيْ كَيْفِيَّةِ صِفَاتِهٖ، وَ غَمَضَتْ مَدَاخِلُ الْعُقُوْلِ فِيْ حَيْثُ لَا تَبْلُغُهُ الصِّفَاتُ لِتَنَاوُلِ عِلْمِ ذَاتِهٖ، رَدَعَهَا وَ هِيَ تَجُوْبُ مَهَاوِيَ سُدَفِ الْغُيُوْبِ، مُتَخَلِّصَةً اِلَيْهِ-سُبْحَانَهٗ-فَرَجَعَتْ اِذْ جُبِهَتْ، مُعْتَرِفَةً بِاَنَّهٗ لَا يُنَالُ بِجَوْرِ الْاِعْتِسَافِ كُنْهُ مَعْرِفَتِهٖ، وَ لَا تَخْطُرُ بِبَالِ اُولِي الرَّوِيَّاتِ خَاطِرَةٌ مِّنْ تَقْدِيْرِ جَلَالِ عِزَّتِهٖ.

اَلَّذِی ابْتَدَعَ الْخَلْقَ عَلٰی غَیْرِ مِثَالٍ امْتَثَلَهٗ، وَلَا مِقْدَارٍ احْتَذٰی عَلَیْهِ، مِنْ خَالِقٍ مَّعْبُوْدٍ كَانَ قَبْلَهٗ، وَ اَرَانَا مِنْ مَّلَكُوْتِ قُدْرَتِهٖ، وَ عَجَآئِبِ مَا نَطَقَتْ بِهٖ اٰثَارُ حِكْمَتِهٖ، وَ اعْتِرَافِ الْحَاجَةِ مِنَ الْخَلْقِ اِلٰۤی اَنْ یُّقِیْمَهَا بِمَسَاكِ قُوَّتِهٖ، مَا دَلَّنَا بِاضْطِرَارِ قِیَامِ الْحُجَّةِ لَهٗ عَلٰی مَعْرِفَتِهٖ، وَ ظَهَرَتْ فِی الْبَدَآئِعِ الَّتِیْۤ اَحْدَثَهَاۤ اٰثَارُ صَنْعَتِهٖ، وَ اَعْلَامُ حِكْمَتِهٖ، فَصَارَ كُلُّ مَا خَلَقَ حُجَّةً لَّهٗ وَ دَلِیْلًا عَلَیْهِ، وَ اِنْ كَانَ خَلْقًا صَامِتًا، فَحُجَّتُهٗ بِالتَّدْبِیْرِ نَاطِقَةٌ، وَ دَلَالَتُهٗ عَلَی الْمُبْدِعِ قَآئِمَةٌ.

وَ اَشْهَدُ اَنَّ مَنْ شَبَّهَكَ بِتَبَایُنِ اَعْضَآءِ خَلْقِكَ، وَ تَلَاحُمِ حِقَاقِ مَفَاصِلِهِمُ الْمُحْتَجِبَةِ لِتَدْبِیْرِ حِكْمَتِكَ، لَمْ یَعْقِدْ غَیْبَ ضَمِیْرِهٖ عَلٰی مَعْرِفَتِكَ، وَ لَمْ یُبَاشِرْ قَلْبَهُ الْیَقِیْنُ بِاَنَّهٗ لَا نِدَّ لَكَ، وَ كَاَنَّهٗ لَمْ یَسْمَعْ تَبَرُّؤَ التَّابِعِیْنَ مِنَ الْمَتْبُوْعِیْنَ اِذْ یَقُوْلُوْنَ: ﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ - اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾. كَذَبَ الْعَادِلُوْنَ بِكَ، اِذْ شَبَّهُوْكَ بِاَصْنَامِهِمْ وَ نَحَلُوْكَ حِلْیَةَ الْمَخْلُوْقِیْنَ بِاَوْهَامِهِمْ، وَ جَزَّاُوْكَ تَجْزِئَةَ الْمُجَسَّمَاتِ بِخَوَاطِرِهِمْ، وَ قَدَّرُوْكَ عَلَی الْخِلْقَةِ الْمُخْتَلِفَةِ الْقُوٰی، بِقَرَآئِحِ عُقُوْلِهِمْ.

وَ اَشْهَدُ اَنَّ مَنْ سَاوَاكَ بِشَیْءٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَقَدْ عَدَلَ بِكَ، وَ الْعَادِلُ بِكَ كَافِرٌ بِمَا تَنَزَّلَتْ بِهٖ مُحْكَمَاتُ اٰیَاتِكَ، وَ نَطَقَتْ عَنْهُ شَوَاهِدُ حُجَجِ بَیِّنَاتِكَ، وَ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَمْ تَتَنَاهَ فِی الْعُقُوْلِ، فَتَكُوْنَ فِیْ مَهَبِّ فِكْرِهَا مُكَیَّفًا، وَ لَا فِیْ رَوِیَّاتِ خَوَاطِرِهَا فَتَكُوْنَ مَحْدُوْدًا مُّصَرَّفًا.

[وَ مِنْهَا]

قَدَّرَ مَا خَلَقَ فَاَحْكَمَ تَقْدِیْرَهٗ، وَ دَبَّرَهٗ فَاَلْطَفَ تَدْبِیْرَهٗ، وَ وَجَّهَهٗ لِوِجْهَتِهٖ فَلَمْ یَتَعَدَّ حُدُوْدَ مَنْزِلَتِهٖ، وَ لَمْ یَقْصُرْ دُوْنَ الْاِنْتِهَآءِ اِلٰی غَایَتِهٖ، وَ لَمْ یَسْتَصْعِبْ اِذْ اُمِرَ بِالْمُضِیِّ عَلٰۤی اِرَادَتِهٖ، وَ كَیْفَ وَ اِنَّمَا صَدَرَتِ الْاُمُوْرُ عَنْ مَّشِیْٓـئَتِهٖ؟ اَلْمُنْشِئُ اَصْنَافَ الْاَشْیَآءِ بِلَا رَوِیَّةِ فِكْرٍ اٰلَ اِلَیْهَا، وَ لَا قَرِیْحَةِ غَرِیْزَةٍ اَضْمَرَ عَلَیْهَا، وَ لَا تَجْرِبَةٍ اَفَادَهَا مِنْ حَوَادِثِ الدُّهُوْرِ، وَ لَا شَرِیْكٍ اَعَانَهٗ عَلَی ابْتِدَاعِ عَجَآئِبِ الْاُمُوْرِ، فَتَمَّ خَلْقُهٗ، وَ اَذْعَنَ لِطَاعَتِهٖ، وَ اَجَابَ اِلٰی دَعْوَتِهٖ، وَ لَمْ یَعْتَرِضْ دُوْنَهٗ رَیْثُ الْمُبْطِیْٓ، وَ لَاۤ اَنَاةُ الْمُتَلَكِّیْٓ، فَاَقَامَ مِنَ الْاَشْیَآءِ اَوَدَهَا، وَ نَهَجَ حُدُوْدَهَا، وَ لَآءَمَ بِقُدْرَتِهٖ بَیْنَ مُتَضَادِّهَا، وَ وَصَلَ اَسْبَابَ قَرَآئِنِهَا، وَ فَرَّقَهَا اَجْنَاسًا مُّخْتَلِفَاتٍ فِی الْحُدُوْدِ وَ الْاَقْدَارِ، وَ الْغَرَآئِزِ وَ الْهَیْئَاتِ، بَدَایَا خَلَآئِقَ اَحْكَمَ صُنْعَهَا، وَ فَطَرَهَا عَلٰی مَاۤ اَرَادَ وَ ابْتَدَعَهَا!.

(ج):

عَالِمُ السِّرِّ مِنْ ضَمَآئِرِ الْمُضْمِرِيْنَ، وَ نَجْوَى الْمُتَخَافِتِيْنَ، وَ خَوَاطِرِ رَجْمِ الظُّنُوْنِ، وَ عُقَدِ عَزِيْمَاتِ الْيَقِيْنِ، وَ مَسَارِقِ اِيْمَاضِ الْجُفُوْنِ، وَ مَا ضَمِنَتْهُ اَكْنَانُ الْقُلُوْبِ وَ غَيَابَاتُ الْغُيُوْبِ، وَ مَآ اَصْغَتْ لِاسْتِرَاقِهٖ مَصَآئِخُ الْاَسْمَاعِ، وَ مَصَآئِفِ الذَّرِّ، وَ مَشَاتِي الْهَوَامِّ، وَ رَجْعِ الْحَنِيْنِ مِنَ الْمُوْلَهَاتِ، وَ هَمْسِ الْاَقْدَامِ، وَ مُنْفَسَحِ الثَّمَرَةِ مِنْ وَلَآئِجِ غُلُفِ الْاَكْمَامِ، وَ مُنْقَمَعِ الْوُحُوْشِ مِنْ غِيْرَانِ الْجِبَالِ وَ اَوْدِيَتِهَا، وَ مُخْتَبَاِ الْبَعُوْضِ بَيْنَ سُوْقِ الْاَشْجَارِ وَ اَلْحِيَتِهَا، وَ مَغْرَزِ الْاَوْرَاقِ مِنَ الْاَفْنَانِ، وَ مَحَطِّ الْاَمْشَاجِ مِنْ مَّسَارِبِ الْاَصْلَابِ، وَ نَاشِئَةِ الْغُيُوْمِ وَ مُتَلَاحِمِهَا، وَ دُرُوْرِ قَطْرِ السَّحَابِ فِيْ مُتَرَاكِمِهَا، وَ مَا تَسْفِي الْاَعَاصِيْرُ بِذُيُوْلِهَا، وَ تَعْفُو الْاَمْطَارُ بِسُيُوْلِهَا، وَ عَوْمِ بَنَاتِ الْاَرْضِ فِيْ كُثْبَانِ الرِّمَالِ، وَ مُسْتَقَرِّ ذَوَاتِ الْاَجْنِحَةِ بِذُرٰى شَنَاخِيْبِ الْجِبَالِ، وَ تَغْرِيْدِ ذَوَاتِ الْمَنْطِقِ فِيْ دَيَاجِيْرِ الْاَوْكَارِ، وَ مَآ اَوْعَبَتْهُ الْاَصْدَافُ، وَ حَضَنَتْ عَلَيْهِ اَمْوَاجُ الْبِحَارِ، وَ مَا غَشِيَتْهُ سُدْفَةُ لَيْلٍ، اَوْ ذَرَّ عَلَيْهِ شَارِقُ نَهَارٍ، وَ مَآ اعْتَقَبَتْ عَلَيْهِ اَطْبَاقُ الدَّيَاجِيْرِ، وَ سُبُحَاتُ النُّوْرِ، وَ اَثَرِ كُلِّ خَطْوَةٍ، وَ حِسِّ كُلِّ حَرَكَةٍ، وَ رَجْعِ كُلِّ كَلِمَةٍ، وَ تَحْرِيْكِ كُلِّ شَفَةٍ، وَ مُسْتَقَرِّ كُلِّ

نَسَمَةٍ، وَ مِثْقَالِ كُلِّ ذَرَّةٍ، وَ هَمَاهِمِ كُلِّ نَفْسٍ هَامَّةٍ، وَ مَا عَلَيْهَا مِنْ ثَمَرِ شَجَرَةٍ، اَوْ ساقِطِ وَرَقَةٍ، اَوْ قَرَارَةِ نُطْفَةٍ، اَوْ نُقَاعَةِ دَمٍ وَّ مُضْغَةٍ، اَوْ نَاشِئَةِ خَلْقٍ وَّ سُلَالَةٍ.

لَمْ تَلْحَقْهُ فِيْ ذٰلِكَ كُلْفَةٌ، وَ لَا اعْتَرَضَتْهُ فِيْ حِفْظِ مَا ابْتَدَعَ مِنْ خَلْقِهٖ عَارِضَةٌ، وَ لَا اعْتَوَرَتْهُ فِيْ تَنْفِيْذِ الْاُمُوْرِ وَ تَدَابِيْرِ الْمَخْلُوْقِيْنَ مَلَالَةٌ وَّ لَا فَتْرَةٌ، بَلْ نَفَذَهُمْ عِلْمُهٗ، وَ اَحْصَاهُمْ عَدُّهٗ، وَ وَسِعَهُمْ عَدْلُهٗ، وَ غَمَرَهُمْ فَضْلُهٗ، مَعَ تَقْصِيْرِهِمْ عَنْ كُنْهِ مَا هُوَ اَهْلُهٗ.[1]

حضرت کا وہ مہتمم بالشان خطبہ جو خطبہ اشباح کے نام سے مشہور ہے۔ کسی سائل نے کہہ دیا تھا کہ اللہ کا اس طرح وصف بیان کر دیجئے جیسا کہ ہم آنکھوں سے اس کو دیکھ رہے ہوں۔ یہ سن کر آپ غضبناک ہو گئے اور فرمایا:

سب تعریف اللہ کے لئے ہے، جسے نعمت و عطا کا روکنا خزانہ کے بڑھانے کا سبب اور کثرت سے عطا و فیض کا بخشنا کبھی بھی عاجزی کا باعث نہیں ہے کیونکہ اس کے سوا جو بھی داد و دہش کرتا ہے اس سے اس کے پاس کچھ

---

[1] نہج البلاغہ طبع مصر ج۱ص ۱۷۴۔

کمی ہو جاتی ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا جب عطا و فیض سے انکار کرتا ہے تو اس کی مذمت کی جا سکتی ہے[1]

اور وہ طرح طرح کی نعمتوں کے فیض اور گوناگون امدادیں پہنچا کر احسانات کرنے والا ہے جس کے دست نگر تمام مخلوقات ہیں۔ اس نے ان کے رزقوں کی ذمہ داری لی ہے۔[2]

ان کی روزیاں مقرر کر دیں اور اپنی طرف رخ کرنے والوں اور اس کے پاس کے اجروثواب کے طلبگاروں کے لئے بھی راستہ بنا دیا ہے[3]۔

اس کی فیاضی کا انحصار اس پر نہیں کہ اس سے سوال کیا جائے تو عطا کرے اور نہ سوال کیا جائے تو نہ دے[4]۔

---

[1] خالق کا عطاو فیض سے انکار اس بناء پر ہوتا ہے کہ وہ عطا نظام مجموعی کی مصلحت کے خلاف ہے اور فرد کا مفاد تمام نظام کے مقابلہ میں نظرانداز کئے جانے کے قابل ہے اس لئے انکار ہمیشہ مستحسن ہی ہوتا ہے اور اس کا جو انکار کرتا ہے وہ کبھی صرف بربنائے بخل ہوتا ہے اور کبھی بربنائے رقابت اور کبھی خود اپنی ضرورت مندی کے خطرے سے اور ان میں سے ہر صورت میں وہ مستحق مذمت قرار پاتا ہے۔ اللہ اس قسم کے انکار سے بری ہے۔

[2] اس ذمہ داری کو سب کے لئے پورا کیا گیا ہے اسباب رزق کو پیدا اور قوائے عمل پر ہر ایک کو عطا فرما کر۔ یہ کہ وہ اس معنی سے ذمہ دار ہے کہ اب کسی کو جدوجہد کی بھی ضرورت نہیں۔

[3] اپنے پسندیدہ دین اور کردار کی طرف رہنمائی کرکے۔

[4] بے شک دعا کا حکم احساس عبودیت کے زندہ رکھنے کے لئے ہے اور اس طرح وہ مستقل عبادت ہے اور اس عبادت کی طرف بندوں کو راغب کرنے کے لئے بعض نتائج کے حصول کو دعا کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔ وہ دعا کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔ اسی کا نام استجابت دعا ہے۔

وہ پہلا جس کے پہلے کا تصور ہی غلط ہے تاکہ کوئی چیز اس سے پہلے ہو[۱]۔

اور وہ آخر جس کے بعد کا تصور ہی نہیں صحیح تاکہ کوئی چیز اس کے بعد ہو[۲]

وہ جو آنکھوں کی پتلیوں کو اپنے پانے یا اپنے تک پہنچنے کی کوشش سے ڈانٹ کر روک دینے والا ہے[۳]۔

اس پر زمانہ کی آمد و رفت نہیں تاکہ اس کے حالات میں اختلاف پیدا ہو[۴]

اور نہ وہ کسی مکان میں محدود ہے تاکہ منتقل ہونا اس کے لئے درست سمجھا جائے[۵]

---

[۱] قدیم بذات اور ازلی ہوتے ہوئے "قبل" کی لفظ کی اضافت ہی اس کی ذات کی طرف بے معنی ہے اور جب یہ مفہوم غیر ممکن الثبوت ہے تو اس کے مصداق کا سوال ہی کیا؟

[۲] ابدی اور لازوال ہوتے ہوئے بعد کی لفظ کی اضافت اس کی طرف صحیح نہیں اور اس مفہوم کا ثبوت امر محال ہے لہٰذا اس کے مصداق کا تصور کیسا؟

[۳] یہ انداز تعبیر اس حقیقت کا مظہر ہے کہ اس کا جلال و کمال مانع رویت ہے نہ کہ ہمارا نقص احساس اس کے بعد جیسا کہ پہلے بھی اشارہ ہو چکا ہے دنیا اور آخرت کی تفریق غیر معقول ہے۔

[۴] زمانہ اگر مقدار حرکت فلک کا نام ہے تو وہ انہی چیزوں کے لئے ہو سکتا ہے جو فلک سے مؤخر ہوں اور اگر کوئی اور امر موہوم ہے تو بھی معروض اس کا وہ حقیقت ثابتہ نہیں ہو سکتی جو حدود زمانہ میں اسیر نہیں ہے۔

[۵] مکان صفات اجسام میں سے ہے اس لئے ذات الٰہی کے لئے ثابت نہیں ہو سکتا اور انتقال جو لوازم حرکت میں سے ہے نیستی و ہستی کی آمیزش کا کرشمہ ہوتا ہے اس لئے ذات حق سبحانہ کے لئے ناممکن ہے۔

اگر وہ سب کچھ دے دے جسے پہاڑوں کی کانیں اپنی سانسوں سے برآمد کرتی[1]

اور سمندروں کی سیپیاں ہنسی ہنسی میں نمایاں کرتی ہیں[2]

چاندی اور سونے کی دھاتوں اور بکھرے ہوئے موتیوں اور درو کئے ہوئے مونگے کی صورت میں[3]

تو یہ اس کی فیاضی پر کچھ بھی اثر انداز اور اس کے پاس کی دولت کے ختم کرنے کے ذرا بھی باعث نہیں ہو سکتا اور اس کے پاس پھر بھی نعمت کے ذخیروں سے اتنا رہے گا جسے تمام کائنات کی خواہشیں بھی ختم نہیں کرسکتیں اس لئے کہ وہ ایسا فیاض ہے جس کے دریائے فیض میں مانگنے

---

[1] بخارات کے احتباس اور ان کے اثرات سے معاون کا وجود ہوتا ہے ان کے لئے سانسوں کی لفظ ادبی حیثیت سے کتنی بیش قیمت ہے۔

[2] سیپ کے اندر سے موتی کے ظاہر ہونے کے لئے "ہنسی" یعنی "خندہ دنداں نما" کی تعبیر بھی کس قدر حسین و لطیف ہے۔

[3] گذشتہ دونوں فقروں کے بعد یہ تفصیل لف و نشر کے طور پر ہے یعنی پہاڑوں کی کانیں اپنی سانسوں سے جو برآمد کرتی ہیں وہ کیا ہے؟ چاندی اور سونے کی دھاتیں اور سیپیاں اپنی ہنسی میں جسے ظاہر کرتی ہیں وہ آبدار موتی ہیں، مونگے کا ذکر صرف موتی کے تناسب سے کردیا گیا ہے۔ مونگے کے لئے "درو" کی لفظ اس نشو نما کی صفت کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کی بناپر "مرجان" کو بعض علماء نے نباتات میں داخل سمجھا ہے اور جس کے اعتبار سے "شاخ مرجاں" کی لفظ مستعمل ہوتی ہے۔

والوں کی مانگ کمی پیدا نہیں کرتی اور اصرار بیجا کرنے والوں کا حد سے بڑھا ہوا اصرار بھی اس کو بخل پر آمادہ نہیں کرتا[1]۔

اسی خطبہ میں پھر ارشاد ہوتا ہے:

وہ ایسا قادر ہے کہ جب انسانی خیالات اس کی قدرت کی انتہائی حد معلوم کرنے کے لئے دوڑ لگا رہے ہو اور نفسانیت کے وسوسوں سے مبرا فکر[2]

اس کے جبروتِ اقتدار کی غیبی گہرائیوں میں جا کر اس کی کنہ ذات معلوم کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہوا اور اس کے اوصاف کی کیفیت میں جانے کے لئے دل والہانہ کیفیت کے ساتھ مصروف جستجو ہوں اور عقل اس کی ذات کا علم حاصل کرنے کے لئے اتنی گہرائیوں تک پہنچ چکی ہو جسے الفاظ مقام توصیف میں ادا بھی نہیں کر سکتے تو ایک دم عین اس وقت جبکہ وہ(خیالات و تفکرات و تصورات) بالکل اس سے لو لگائے ہوئے غیبی

---

[1] بسا اوقات ایک منعم کو نفسیاتی طور پر بے محل اصرار کی زیادتی ضد و کد پیدا کرکے انکار پر آمادہ کر دیتی ہے جس کا سبب ایک طرح کا چڑھ جانا ہوتا ہے۔ خالق کریم چونکہ جذبات سے بری ہے اس لئے اس کے یہاں یہ صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔

[2] جو نفسانیت کے وسوسوں سے گھری ہوئی فکر ہوا سے تو خود وسوسوں کی آمیزش ہی اس تک پہنچنے سے مانع ہو گی لیکن جو وسوسوں سے بری فکر ہے اس میں اپنی جانب سے کوئی مانع موجود نہیں مگر خالق کا جلال ذات اسے بھی کنہ حقیقت تک پہنچنے سے ہو۔

تاریکیوں کی گہرائیوں کو طے کر رہے ہوتے ہیں انہیں ڈانٹ پڑتی ہے اور ایسا دھکا لگتا ہے کہ وہ واپس ہونے پر مجبور ہوتے ہیں یہ اقرار کرتے ہوئے کہ اپنے حدود سے کتنے ہی آگے بڑھنے پر بھی اس کی کنہ معرفت حاصل نہیں ہوسکتی اور صاحبان فکر کے ذہن میں اس کے جلال و عزت کو کسی پیمانہ میں محدود بنانے کا کوئی خیال گردش کرنا ہی غلط ہے۔

وہ جس نے کائنات کی ایجاد کی، بغیر کسی نمونہ کے جسے پیش نظر رکھا ہو اور وہ بغیر کسی پہلے والے موجد کے مقرر کردہ پیمانہ کے جس کی اس نے پابندی کی ہو[1]

اور اس نے ہمارے لئے اپنے اقتدار کے قلمرو اوران عجائب سے جن کا اس کی قدرت کے آثار اعلان کر رہے ہیں اور مخلوقات کے اطراف سے کہ وہ اس کی قدرت کی روک تھام کے محتاج ہیں[2]۔

[1] مطلق احتیاج شانِ واجب کے خلاف ہے پھر نمونہ اور پیمانہ کی احتیاج قصور علم کا بھی ثبوت ہے اور علم خدا عین ذات ہے جس میں جہل کا شائبہ ہی متصور نہیں۔ اس طرح نمونہ و پیمانہ کا مطالبہ علم وقدرت دونوں ذاتی صفتوں کے خلاف ہے پھر باری تعالی تو اول حقیقی ہے اس کے پہلے کسی دوسرے موجد کا سوال ہی کہاں ممکن ہے؟

[2] جس طرح حدوث کائنات محتاج سبب ہے اس طرح بقائے کائنات بھی اسی بقا کے سامان کا اس کی طرف سے ہونا ہی وہ ہے جس کی بنا پر اسلام نے اس کا "رب" کہہ کر تعارف کرایا ہے۔

وہ دلائل نمایاں کر دئے ہیں جو حجت تمام ہونے کی مجبوری کی بنا پر زبردستی ہمیں اس کی معرفت تک پہنچا ہی کر چھوڑتے ہیں اور ان کی ایجادات میں جنہیں اس نے پیدا کیا ہے اس کی صنعت کی نشانیاں اور اس کی حکمت کی علامتیں اس طرح نمایاں ہیں کہ اس کی ہر مخلوق اس کی ایک حجت اور اس کے وجود کی ایک دلیل بن گئی ہے اور چاہے وہ بے زبان مخلوق ہو مگر خداوندی انتظام پر استدلال پیش کرنے میں وہ گویائی کی مالک ہے[1]۔

اور اس کی رہنمائی اپنے موجد کی طرف نمایاں ہے۔ خداوندا! میں گواہی دیتا ہوں کہ جس نے تجھے تیرے مخلوق کے الگ الگ اعضاء اور تیری حکمت کی تدبیر سے گوشت و پوست کے اندر پوشیدہ ان کے جوڑ بندوں کی ہڈیوں کے باہم اتصال کو دیکھ کر تجھے بھی ان سے مشابہ سمجھا[2]

[1] جو گویائی کا نتیجہ ہے یعنی کسی حقیقت کا اظہار وہ اس میں پورے طور پر موجود ہے۔

[2] یہ اس نفسیاتی تجزیہ کی طرف اشارہ ہے کہ عقیدہ تجسیم و تشبیہ در حقیقت بات. بربنائے قیاس پیدا ہوا ہے مگر قیاس ایک تو خود ہی بے بنیاد چیز ہے اور پھر وہ بھی قیاس مع الفارق۔ اس لئے کہ کجا ممکن اور کجا واجب ! کہاں مخلوق اور کہاں خالق !

اس نے اپنے ضمیر کے تحت الشعور کو تیری معرفت سے وابستہ نہیں کیا ہے[۱]۔

اور اس کے دل کو اس یقین کا حس و مس بھی نہیں کہ تیرا کوئی مثل نہیں ہےاور گویااس نے پیشواؤں سے پیرووں کے تبرا کو[۲]

شاہی نہیں جبکہ وہ کہتے ہوں گے "بخدا ہم کھلی ہوئی گمراہی میں تھے کہ تمھیں پروردگار عالمیاں کے برابر قرار دیتے تھے"۔

بے شک تیرا مثل قرار دینے والوں نے بالکل غلط تصور کیا جب تجھے اپنے بتوں کے قالب میں سمجھا[۳]۔

اور اپنے توہمات سے تجھے مخلوق کے شکل و شمائل دے دیئے[۴]

---

[۱] معرفت امتیاز خاص کے ادراک سے وابستہ ہے اور جب ممکنات سے واجب کا امتیاز ہی محسوس نہیں کیا بلکہ اس کو ان ناقص چیزوں کے مثل مانا تواس کی ادنی معرفت بھی کہاں حاصل ہوئی۔

[۲] قرآن مجید میں دونوں طرح کے تبرا کا ذکر ہے۔ پیشواؤں کا تبرا پیرووں سے جیسا کہ ارشاد ہوا: "إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ" اور یہیں دوسری طرف سے بھی تمنائے تبرا کا ذکر ہے: " وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا" اور ایک جگہ مقام تبرا میں یہ الفاظ ہیں جن کا اقتباس امیر المومنین علیہ السلام نے درج فرمایا ہے: "لقد کنا فی ضلال مبین اذ نسویکم برب العالمین"۔

[۳] یہ مشرکین کی وہ جماعت ہے جو اصنام کی پرستش کرتی ہے۔

[۴] یہ مجسمہ ہیں جن کے بعض فرقوں نے دعویدار اسلام ہوتے ہوئے بھی خدا کو انسانی شکل و شمائل کا حامل سمجھا۔

اور اپنے تصورات سے اجسام کی طرح تیرے بھی اجزاء قرار دئے[1]

اور تجھے اپنی طبعی رجحانات سے اس مخلوق کی صورت میں فرض کیا جس میں مختلف طاقتیں ہوتی ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جس نے تجھے تیری کسی مخلوق کے برابر قرار دیااس نے تیراایک مثل قرار دیااور تیرا مثل قرار دینے والا ان تمام باتوں کا منکر ہے جنھیں لے کر تیری واضح آیتیں اتری ہیں اور جن کا تیرے روشن دلائل کی گواہیار، صاف صاف اظہار کر رہی ہیں اور یقینا تو ہے وہ اللہ جو عقلوں کے حدود میں مقید نہیں تاکہ ان کے تفکرات کی آماجگاہ میں کیفیات کا حامل بن جائے[2]۔

اور نہ ان کے ذہنی تصورات میں گرفتار ہے تاکہ ان کے مقررہ حدود میں گھرا ہوا اور ان کی گردشوں کا پابند بن جائے[3]۔

اسی خطبہ میں ہے:

---

[1] یہ الفاظ مجسمہ کے علاوہ اس جماعت کو بھی شامل ہیں جو خدا کے لئے ذات کے علاوہ صفات قرار دیتی ہے جیسا کہ قبل والے ایک خطبہ میں حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا: "من وصفہ فقد ثناہ و من ثناہ فقد جزاہ"۔

[2] یعنی عام طور پر عقلوں کی دسترس نقائص ہی کی سرحد تک ہے۔ خالق کی کنہ حقیقت اگر آخر میں محدود بن جائے تو وہ بھی نقائص و کیفیات کا حامل ہو جائے۔

[3] اس سے سوفسطائیوں کی رد ہوتی ہے جو حقیقت کو تابع تصورات مانتے ہیں۔

اس نے جو پیدا کیا اس کے پیمانے مقرر کیئے تو وہ ہر کمزوری سے بری مقرر کیئے[1]

اور اس کی تدبیر کی تو انتہائی باریک بینی سے تدبیر کی اور ہر شے کو اس کی منزل کی طرف رہسپار بنایا[2]۔

تو وہ پھر اپنی اس منزل کے حدود سے نہ آگے بڑھی اور نہ اس انتہا تک پہنچنے سے قبل ہی تھم سکی[3]۔

اور نہ جب اسے ارادہ الٰہی کے مطابق چلنے پر مامور کیا گیا تو اس نے نافرمانی سے کام لیا اور یہ ہو ہی کیونکر سکتا تھا جبکہ تمام کائنات کا وجود صرف اس کے ارادہ کی بدولت ہے۔ وہ مختلف طرح کی چیزوں کا وجود میں

---

[1] جو نقائص ذات ممکن اور اس ممکن کے درجہ طبیعی سے متعلق ہیں وہ تو خود اس مخلوق کے ساتھ ساتھ ہیں۔ کمزوری سے بری ہونے کا مطلب نظام عالم کے لحاظ سے اس شے کا تناسب ہے جس کا لحاظ خود حکیم مطلق کے لئے ضروری ہے۔

[2] ہر شے کی تخلیق کامل کے لحاظ سے جو منازل ارتقائی مقرر ہیں مثلاً تخم کی منزل سے شجر بار آور و سایہ دار تک اور نطفہ کے درجہ سے حیوان کے منزل شباب تک، سب بارادہ الٰہی طے ہوتے ہیں۔ یہی ہدایت تکوینی ہے جو کائنات میں ہمہ گیر ہے۔ جس کے لئے قرآن میں ہے: "خلق کل شیئ فھدی"

[3] ہر شے اور اس کی منزل انتہا سے مراد نوع اور اس کے حدود بھی ہیں اور فرد اور اس کے حدود بھی۔ افراد میں بعض جو ناقص محسوس ہوتے ہیں جیسے ساقط شدہ عمل وغیرہ ان کا نقص باعتبار صفات نوع کے ہے لیکن مجموع نظام کے لئے اپنی شخصی حد مقصود کے اعتبار سے ممکن ہے اس کی منزل انتہائی یہی ہو۔ یہ اس وقت ہے جبکہ اس کا ناقص رہنا کسی انسان کی اختیاری بے اعتدالی اور ظلم و تعدی کا نتیجہ نہ ہو۔

لانے والا ہے بغیر کسی غور وفکر کے جس کی اسے ضرورت پڑی ہو اور بغیر کسی افتاد طبع کے تقاضے کے جو اس میں مضمر ہو[۱]۔

اور بغیر کسی تجربہ کے جسے اس نے زمانہ کے حوادث سے حاصل کیا ہو اور بغیر کسی شریک کار کے جس نے اسے عجیب چیزوں کی ایجاد میں مدد دی ہو۔ اسی طرح اس کی تمام مخلوق وجود میں آئی اور اس نے اس کے احکام کے سامنے سر اطاعت خم کیا اور اس کی آواز پر لبیک کہی بلاتوقف جس میں ذرا بھی تاخیر اور تردد کی گنجائش نہ تھی۔ چنانچہ اس نے تمام چیزوں کو ہر طرح کی کجی سے دور بنایا[۲]۔

اور ان کی حدیں مقرر کیں اور اپنی قدرت سے ان میں کی باہم تضاد رکھنے والی چیزوں میں میل پیدا کیا[۳]۔

اور جسم و جان کے روابط میں اتصال قائم کیا[۴]

---

[۱] وہ فاعل مختار اور علیم و حکیم ہے۔ اس کے افعال بتقاضائے ارادہ مبنی بر حکمت ہوتے ہیں نہ کہ بتقاضائے طبیعت۔

[۲] نظام اکمل کا ایک جز ہونے کے اعتبار سے ہر شے کجی اور نقص سے قطعاً دور ہے۔ اس کا بالتفصیل جاننا ہمارے امکان سے خارج ہے کیونکہ ہم پورے نظام اور اس کے مقتضیات پر حاوی نہیں ہیں لیکن حکمت کاملہ ربانی پر کلی طور سے ایمان بدلائل حاصل ہو گیا تو اس کا حتمی نتیجہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس کے مخلوقات یقیناً ہر کجی سے دور ہیں۔

[۳] یہ وہ عناصر ہیں جن سے جمادات و نباتات و حیوانات کی ترکیب ہوئی ہے۔

[۴] جسم اور جان باعتبار خصوصیات متضاد چیزیں ہیں اور ان میں اتصال ہی سے حیات عنصری پیدا ہوئی ہے۔

اور انہیں گوناگون نوعیتوں میں تقسیم کیا جو حدوں، مقداروں، طبیعتوں اور شکلوں میں مختلف ہیں۔ یہ سب پہلے پہل[1]

بنائی ہوئی مخلوقات تھی جس میں اس نے ایسی بے عیب صناعی صرف کی اور اپنے ارادہ کے مطابق انہیں پیدا کیا اور نیستی سے ہستی میں لایا[2]۔

اسی خطبہ کا یہ جز ہے:

وہ ہر پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے[3]۔

---

[1] یعنی بلا نمونہ اور بلا تجربہ و مشق۔

[2] یعنی اس کی تخلیق صورتوں کی تبدیلی میں محدود نہیں ہے جس کے لئے مادہ کا وجود پہلے سے ضروری ہو بلکہ وہ کتم عدم سے خیر وجود میں لاتا ہے اور اس معنی سے وہ خود مادہ کا بھی خالق ہے۔

[3] مبتدی دماغوں کی ترکیب کے لئے جزئیات کے بیان کی بڑی ضرورت ہے۔ اسے تین چار برس کے بچہ کی اس حالت سے سمجھا جاسکتا ہے جب اس سے کوئی کلی حقیقت بیان کی جائے مثلا یہ کہ گھر کی چیزیں سب باپ کی ملکیت ہیں۔ اب وہ پوچھنا شروع کردے گا اور یہ تخت؟ اور وہ پلنگ؟ اور وہ چوکی؟ اور وہ کرسی؟ اور وہ لوٹا؟ اور وہ گھڑا؟ ہر ایک کے جواب میں یہی کہا جاتا رہے کہ ہاں یہ بھی تمہارے ابّا کا ہے اور وہ بھی۔ آخر میں وہ مطمئن ہوگا اور گویا اب سمجھ لے گا کہ بے شک سب ہمارے ابا کا ہے۔ لیکن شروع میں جو اس سے (بطور کلیہ) کہا گیا تھا کہ سب تمہارے ابّا کا ہے تو وہ اسے نہیں سمجھا تھا۔ عوامی ذہن در حقیقت بچّہ ہی کا ذہن ہوتا ہے۔ اس نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے علم الٰہی کی وسعت کے اظہار کے لئے جزئیات کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان جزئیات کو اتنے بسط و تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ سننے والے کے طفلانہ دماغوں کو آخر میں اس سوال کی گنجائش نہ رہے کہ اور یہ؟ جن باتوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے ان سے مخفی کون چیز وہ ہوسکتی ہے جن کے لئے یہ دریافت کرنے کا محل ہو کہ اللہ کو اس کا بھی علم ہے یا نہیں؟

جیسے تصور کرنے والے کی دماغی تصورات چپکے چپکے آپس میں باتیں کرنے والوں کی خفیہ سرگوشیاں، توہمات و خیالات کی گردشیں، دزدیدہ نگاہوں کی جنبشیں، دلوں کے اندر کے بھید، غیب کی گہرائیوں میں کی باتیں، چوری چھپے کان لگا کر سنیں جانے والی گفتگوئیں، چیونٹیوں کے گرمی کے زمانہ کی اور کیڑوں مکوڑوں کی جاڑوں میں رہنے کی جگہیں، غمزدہ عورتوں کی تھرائی ہوئی آواز گریہ کی لرزش، پیروں کی چاپ، کلیوں کے خلاف کے اندرونی حصہ کے اندر پھلوں کے پھیلنے کی گنجائش، پہاڑوں کی غاروں اور وادیوں میں وحشی جانوروں کے گوشہ گیر ہونے کی جگہیں، درختوں کی جڑوں اور چھالوں میں مچھروں کے چھپنے کے مقامات، شاخوں کے اندر سے پتوں کے نکلنے کی راہیں، مردوں کی گوشت کے پیچیدہ راستوں میں نطفوں کی روشیں، بلند ہونے والے ابر اور ان کی تہہ بتہ ترکیبیں، ان ابر کی تہوں میں قطرات باراں کی ریزشیں، بگولوں کے دامنوں میں لپٹ کر اٹھنے والے ذرے، بارشوں یا سیلابوں سے مٹ جانے والے نقشے اور ریت کے ٹیلوں میں اگنے والی گھاس کی ریشہ دوانی، پہاڑوں کی اونچی چوٹیوں پر پرند جانوروں کے آشیانے، گھونسلوں کی تاریک فضاؤں میں بولنے والے طائروں کے چہچہے، وہ کہ جسے سینت رکھیں سیپیاں اور جس کی پرورش کریں سمندروں کی موجیں، وہ کہ جس پر پردہ ڈالے رات کی

تاریکی یا روشنی ڈالے دن کا آفتاب، ہر وہ چیز کہ جس پر یکے بعد دیگرے چڑھتی رہتی ہیں تاریکی شب کی تہیں اور نور کی چادریں، ہر لب کی جنبش، ہر متنفس کی قرارگاہ[1]۔

ہر ذرہ کا وزن، ہر ارادہ کرنے والے نفس کے ولولے اور جو کچھ زمین پر ہے کسی درخت سے گرا ہوا پھل، ٹوٹا ہوا پتہ، قرار یافتہ نطفہ، خون کا قتلا، گوشت کا لوتھڑا، یا پیدا شدہ بچہ، اور انسانی نسل، ان سب کا اس کو علم ہے[2]۔

جس میں اسے نہ کچھ سامان اٹھانا پڑتی، نہ جو کچھ مخلوق اس نے پیدا کی ہے اس کی نگہداشت میں اسے کوئی مجبوری پیش آتی اور نہ اسے اپنے احکام کے اجراء اور مخلوقات کے انتظام میں کوئی تھکن یا کمزوری پیدا ہوتی ہے بلکہ اس کا علم ان میں اترا ہوا، اس کی گنتی ان پر حاوی، اس کا انصاف

---

[1] بیان جزئیات میں ایسا فطری انداز اختیار کیا گیا ہے کہ جیسے متکلم کو جو جو یاد آتا جاتا ہے بلا کسی ترتیب کے وہ شمار کئے جارہا ہے۔ جس کے نظم و سیاق میں کوئی مصنوعی کاریگری اور غور و فکر صرف نہیں کی گئی ہے۔

[2] فلاسفہ نے اور ان کا اتباع کرتے ہوئے بہت سے مسلمانوں نے سمجھ لیا ہے کہ خداوند عالم کو کلیات کا علم ہوتا ہے مگر جزئیات کا نہیں۔ اس لئے کہ وہ متغیر ہیں مگر یہ درست نہیں ہے۔ معلومات کے تغیر یا حدوث سے علم اور عالم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تجدد و حدوث معلوم میں ہے، علم میں نہیں ہے۔ خالق کی ذات کامل ہے اور اس کا کمال کسی قسم کے جہل کا متحمل نہیں ہے۔ خواہ وہ کلیات سے متعلق ہو اور خواہ جزئیات سے۔ اس لئے حق یہ ہے کہ اس کا علم محیط ہے کلیات اور جزئیات سب اس میں داخل ہیں اور اسی حقیقت کے ذہن نشین کرنے کے لئے امیر المومنین علیہ السلام نے اس بسط و تفصیل کے ساتھ چھوٹے سے چھوٹے جزئیات کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ان کا پورا پورا جائزہ لئے ہوئے اور اس کا احسان ان سب پر چھایا ہوا ہے حالانکہ وہ اس کی شان کے لائق اوصاف کی حقیقت سمجھنے سے عاجز ہیں۔

(۱۰)

خطبہ ۱۰۶

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمُتَجَلِّیْ لِخَلْقِهٖ بِخَلْقِهٖ، وَ الظَّاهِرِ لِقُلُوْبِهِمْ بِحُجَّتِهٖ، خَلَقَ الْخَلْقَ مِنْ غَيْرِ رَوِيَّةٍ، اِذْ كَانَتِ الرَّوِيَّاتُ لَا تَلِيْقُ اِلَّا بِذَوِی الضَّمَآئِرِ، وَ لَيْسَ بِذِیْ ضَمِيْرٍ فِیْ نَفْسِهٖ. خَرَقَ عِلْمُهٗ بَاطِنَ غَيْبِ السُّتُرَاتِ، وَ اَحَاطَ بِغُمُوْضِ عَقَآئِدِ السَّرِيْرَاتِ.

سب[1] تعریف اللہ کے لئے ہے جو خلائق کے سامنے خلائق ہی کے ذریعہ سے جلوہ نما ہے اور ان کے دلوں پر اپنے دلائل کے ساتھ نمایاں ہے۔ اس نے مخلوق کو پیدا کیا بغیر کسی غوروفکر کے۔ اس لئے کہ غوروفکر ان ہی کے مناسب حال ہے جو قلب و ضمیر رکھتے ہوں اور اللہ قلب و ضمیر سے بری ہے[2]۔

---

[1] نہج البلاغہ ط مصر، ج ۱ ص ۲۲۳۔

[2] قلب و ضمیر جسمانی اعضاء و قویٰ میں داخل ہیں اور اللہ جسم و جسمانیت سے بری ہے۔

اس کا علم کے پردوں کے اندر چھپی ہوئی چیزوں میں نفوذ کئے ہوئے ہیں اور وہ دل زنگاہ میں مضمر عقیدوں کی گہرائی پر حاوی ہے۔

(۱۱)

خطبہ ۱۵۰

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الدَّالِّ عَلٰی وُجُوْدِهٖ بِخَلْقِهٖ، وَ بِمُحْدَثِ خَلْقِهٖ عَلٰۤی اَزَلِیَّتِهٖ، وَ بِاشْتِبَاهِهِمْ عَلٰۤی اَنْ لَّا شَبَهَ لَهٗ. لَا تَسْتَلِمُهُ الْمَشَاعِرُ، وَ لَا تَحْجُبُهُ السَّوَاتِرُ، لِافْتِرَاقِ الصَّانِعِ وَ الْمَصْنُوْعِ، وَ الْحَادِّ وَ الْمَحْدُوْدِ، وَ الرَّبِّ وَ الْمَرْبُوْبِ. اَلْاَحَدِ لَا بِتَاْوِيْلِ عَدَدٍ، وَ الْخَالِقِ لَا بِمَعْنٰی حَرَكَةٍ وَّ نَصَبٍ، وَ السَّمِيْعِ لَا بِاَدَاةٍ، وَ الْبَصِيْرِ لَا بِتَفْرِيْقِ اٰلَةٍ، وَ الشَّاهِدِ لَا بِمُمَاسَّةٍ، وَ الْبَآئِنِ لَا بِتَرَاخِیْ مَسَافَةٍ، وَ الظَّاهِرِ لَا بِرُؤْيَةٍ، وَ الْبَاطِنِ لَا بِلَطَافَةٍ. بَانَ مِنَ الْاَشْيَآءِ بِالْقَهْرِ لَهَا، وَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهَا، وَ بَانَتِ الْاَشْيَآءُ مِنْهُ بِالْخُضُوْعِ لَهٗ، وَ الرُّجُوْعِ اِلَيْهِ. مَنْ وَّصَفَهٗ فَقَدْ حَدَّهٗ، وَ مَنْ حَدَّهٗ فَقَدْ عَدَّهٗ، وَ مَنْ عَدَّهٗ فَقَدْ اَبْطَلَ اَزَلَهٗ، وَ مَنْ قَالَ: "كَيْفَ" فَقَدِ اسْتَوْصَفَهٗ، وَ مَنْ قَالَ: "اَيْنَ" فَقَدْ حَيَّزَهٗ. عَالِمٌ اِذْ لَا مَعْلُوْمٌ، وَ رَبٌّ اِذْ لَا مَرْبُوْبٌ، وَ قَادِرٌ اِذْ لَا مَقْدُوْرٌ.

[1]سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو اپنے مخلوقات سے اپنی ہستی کا اور اپنے مخلوقات کے نیست کے بعد ہست ہونے سے اپنے ہمیشہ سے ہونے کا اور ان کے باہم ملتے جلتے ہونے سے بے مثال ہونے کا پتہ دیتا ہے[2]۔

احساسات اسے چھوتے نہیں اور پردے اسے چھپاتے نہیں اس لئے کہ بنانے والے اور بنائے جانے والے، حدوں میں گھرنے والے، تربیت کرنے والے اور تربیت پانے والے میں بہر صورت فرق ہے[3]۔

وہ ایک ہے مگر گنتی کے اعتبار سے نہیں، پیدا کرنے والا ہے مگر حرکت اور زحمت و مشقت کے ساتھ نہیں، سننے والا ہے مگر آلہ سماعت سے نہیں اور دیکھنے والا ہے مگر آلہ بصارت کے ذریعہ سے نہیں، پاس ہے مگر جسمانی اتصال کے طور پر نہیں

---

[1] نہج البلاغہ ط مصر، ج ۱ ص ۲۹۳۔

[2] اصل وجود مخلوقات کا وجود خالق کا پتا دیتا ہے اور مخلوقات کے نقائص بقاعدہ قضا و خالق کے کمال کی سراغ رسانی کرتے ہیں۔ چونکہ مخلوق کے احتیاج کا معیار ان کا حدوث ہے لہٰذا خالق کو قدیم ماننا لازم ہے اور ان کا باہمی تشابہہ کثرت کا آئینہ بردار ہے جو اپنے مبداء اصلی میں وحدت کا طلبگار ہے اور وحدت بے مثالی کی ضامن ہے۔

[3] یہ فرق دونوں باتوں کی دلیل ہے۔ اس کی بھی کہ اسے چھوتے نہیں، اس لئے کہ اگر احساسات میں وہ مقید ہو جائے تو خالق و مخلوق، حاد و محدود اور رب و مربوب میں فرق ہی نہ رہے اور اس کی بھی کہ پردے اسے چھپاتے نہیں کیونکہ یہ فرق ہی اس کے کمال کو نمایاں کرنے کا ذریعہ ہے کہ جو نقائص اس مخلوق و محدود و مربوب میں ہیں ان سے وہ بری ہے۔

اور جدا ہے مگر مسافت کی دوری کے لحاظ سے نہیں، نمایاں ہے مگر دکھائی دے کر نہیں اور پوشیدہ ہے مگر جسم کی باریکی کے باعث نہیں[1]۔

وہ تمام چیزوں سے ممتاز ہے ان پر دباؤ اور قابو رکھنے کے ساتھ اور تمام چیزیں اس سے الگ ہیں اس کے سامنے جھکنے اور اس کی طرف ہر پھر کر رجوع ہونے کے ساتھ۔ جس نے اس کے لئے اوصاف قرار دیئے اس نے اسے محدود بنا دیا اور جس نے اسے محدود بنایا وہ اسے دوسری چیزوں کے شمار میں لے آیا اور جو اسے دوسری چیزوں کے شمار میں لے آیا اس نے اس کے ہمیشہ سے ہونے کا انکار کر دیا[2]

اور جس نے کہا وہ کیسا ہے اس نے اس کے لئے اوصاف تجویز کر لئے اور جس نے کہا کہاں ہیں اس نے مکان اور حیز میں اسے مقید سمجھ لیا۔ وہ عالم تھا اس وقت

---

[1] خداوند عالم کے لئے اوصاف کے استعمال میں سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ الفاظ وضع ہوئے ہیں ممکنات کے لحاظ سے جو نقائص میں گھرے ہوئے ہیں اور ذات واجب ان تمام نقائص سے بری ہے۔ اس لئے اس کے کمال ذات کے اظہار کے لئے الفاظ ساتھ نہیں دیتے۔ اس کا حل محمد وآل محمد (ص) نے یہ بتایا ہے کہ الفاظ کا استعمال جب کرو تو عقلی تصرف کے ساتھ کہ کمال کا پہلو لے لو اور نقص کے پہلو کو نظر انداز کرو۔ اس طرح ہر تحمید میں تنزیہہ کا پہلو مد نظر رکھنا ضروری ہے اور اسی کی تشریح امیر المومنین (ع) نے ان فقرات میں فرمائی ہے۔

[2] محالات اور غلط تصورات اکثر لازم وملزوم ہوتے ہیں۔ جو ایک غلط بات کو مانتا ہے اسے نتیجہ میں اور اور بہت سی غلط باتوں کو ماننا پڑتا ہے۔ یونہی ذات الٰہی کے علاوہ اس کے صفات ماننے سے اس کی بے مثالی ختم ہو جاتی ہے اور اس سے اس کی ازلیت اور وجوب سب کا انکار لازم ہوتا ہے۔ اس کی تشریح نہج البلاغہ کے سب سے پہلے خطبہ کے ذیل میں ہو چکی ہے۔

بھی جب کوئی معلوم ہونے کی چیز نہ تھی اور پروردگار تھا جبکہ کوئی شے ہے پرورش پانے والی نہ تھی اور قادر تھا جبکہ کوئی متعلق قدرت شیئ موجود نہ تھی[1]۔

(۱۲)

خطبہ ۱۵۸

اَمْرُهٗ قَضَآءٌ وَّ حِكْمَةٌ، وَ رِضَاهُ اَمَانٌ وَ رَحْمَةٌ، يَقْضِيْ بِعِلْمٍ، وَ يَعْفُوْ بِحِلْمٍ. اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَا تَاْخُذُ وَ تُعْطِيْ، وَ عَلٰى مَا تُعَافِيْ وَ تَبْتَلِيْ، حَمْدًا يَّكُوْنُ اَرْضَى الْحَمْدِ لَكَ، وَ اَحَبَّ الْحَمْدِ اِلَيْكَ، وَ اَفْضَلَ الْحَمْدِ عِنْدَكَ، حَمْدًا يَّمْلَاُ مَا خَلَقْتَ، وَ يَبْلُغُ مَآ اَرَدْتَّ، حَمْدًا لَّا يُحْجَبُ عَنْكَ، وَ لَا يُقْصَرُ دُوْنَكَ، حَمْدًا لَّا يَنْقَطِعُ عَدَدُهٗ، وَ لَا يَفْنٰى مَدَدُهٗ. فَلَسْنَا نَعْلَمُ كُنْهَ عَظَمَتِكَ اِلَّآ اَنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ حَيٌّ قَيُّوْمٌ، لَا تَاْخُذُكَ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ، لَمْ يَنْتَهِ اِلَيْكَ نَظَرٌ، وَ لَمْ يُدْرِكْكَ بَصَرٌ، اَدْرَكْتَ الْاَبْصَارَ، وَ اَحْصَيْتَ الْاَعْمَارَ، وَ اَخَذْتَ بِالنَّوَاصِيْ وَ الْاَقْدَامِ، وَ مَا الَّذِيْ نَرٰى مِنْ خَلْقِكَ، وَ نَعْجَبُ لَهٗ مِنْ قُدْرَتِكَ، وَ نَصِفُهٗ مِنْ عَظِيْمِ سُلْطَانِكَ، وَ مَا

---

[1] یعنی کمال ذات اضافات و تعلقات کی بناء پر نہیں ہے بلکہ خود مقام ذات میں ہے۔ اضافات تو اس کا ایک نتیجہ ہیں۔ عین کمال نہیں ہیں۔

تَغَيَّبَ عَنَّا مِنْهُ، وَ قَصُرَتْ اَبْصَارُنَا عَنْهُ، وَ انْتَهَتْ عُقُوْلُنَا دُوْنَهُ، وَ حَالَتْ سَوَاتِرُ الْغُيُوْبِ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُ اَعْظَمُ.[1]

اس کے احکام بالکل فیصلہ کن اور حکمت ریز اور اس کی خوشنودی سراسر امن و امان اور رحمت آمیز ہے۔ فیصلے اس کے بر بنائے علم ہوتے ہیں اور معانی بر بنائے حلم[۲]

پروردگارا تیرے لئے حمد ہے تیرے لینے پر بھی اور دینے پر بھی۔ تیری طرف کی صحت پر بھی اور تیری جانب کی بیماری پر بھی[۳]

وہ حمد جو تجھے انتہائی پسند، انتہائی محبوب اور حمد کی تمام قسموں میں تیرے نزدیک سب سے بہتر ہو۔ وہ حمد جو تیرے تمام مخلوقات کو اپنی وسعت سے لبریز کردے اور تیرے ارادہ کے معیار پر پوری اترے۔ وہ حمد جو تیرے پاس پہنچنے سے رک نہ

---

[۱] نہج البلاغہ ط مصر، ص ۳۰۹

[۲] مجرم کو سزا دینے اور نافرنان پر عذاب نازل کرنے پر کامل قدرت رکھنے کے باوجود جذبہ انتقام سے بری رہنا ہی حلم ہے۔ اس کا شدید قسم کے بداعمال اور بدکیش افراد کو سزا دینا صرف لاقانونی کے سدباب کے لئے بر بنائے ضرورت ہے ورنہ اسے سزا دے کر کوئی دل کی بھڑاس نکالنا نہیں ہے۔ یہ حلم اس کی ذاتی بے نیازی کا تقاضا ہے۔ کوئی الگ صفت نہیں ہے۔

[۳] خداوند عالم کا ہر فعل نظام عالم کی مصلحت کے لئے ہوتا ہے لہٰذا جو انفرادی ضرر ہے وہ بھی نوعی فائدہ کے لئے ہے اور چونکہ نظام نوعی ہر فرد کو حاوی ہے اس لئے نوع کا فائدہ اس فرد کی طرف بھی راجع ہوتا ہے اسی طرح ہر فعل مورد حمد و شکر ہے خواہ وہ انفرادی طور پر اس کے لئے مفید ہو یا مضر۔

سکے اور تیری بارگاہ تک رسائی سے قاصر نہ ہو۔ وہ ہم جس کا سلسلہ ختم اور مدت تمام نہ ہو۔ ہم تیری عظمت کی اصل حقیقت کو بالکل نہیں جانتے۔ اتنا بے شک جانتے ہیں کہ تو زندہ، قائم اور برقرار ہے۔ تجھے نیند نہیں آتی، نہ غنودگی طاری ہوتی ہے۔ تجھ تک کوئی نگاہ کبھی پہنچی نہیں اور کسی نے تجھے دیکھا نہیں مگر تو تمام نگاہوں پر حاوی اور عمروں کا احاطہ کئے اور مخلوقات کو پوری طرح اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے اور جو تیری مخلوق ہم آنکھ سے دیکھ رہے ہیں اور تیری قدرت کے جن مظاہرات سے ہم حیرت کرتے ہیں اور جس تیرے عظیم اقتدار کے زبانوں پر چرچے آتے ہیں یہی کیا کم ہے اور اس کے بعد جو کچھ ہم سے پوشیدہ ہے، جس سے ہماری نگاہیں قاصر ہیں، ہماری عقلیں اس تک پہنچنے سے پہلے رک جاتی ہیں اور غیب کے پردے ہمارے اور اس کے درمیان حائل ہیں وہ اس سے بھی زیادہ عظیم ہے۔

(۱۳)

خطبہ ۱۶۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ خَالِقِ الْعِبَادِ، وَ سَاطِحِ الْمِهَادِ، وَ مُسِيْلِ الْوِهَادِ، وَ مُخْصِبِ النِّجَادِ، لَيْسَ لِاَوَّلِيَّتِهِ ابْتِدَآءٌ، وَ لَا لِاَزَلِيَّتِهِ انْقِضَآءٌ، هُوَ الْاَوَّلُ لَمْ يَزَلْ، وَ الْبَاقِيْ بِلَآ اَجَلٍ. خَرَّتْ لَهُ الْجِبَاهُ، وَ وَحَّدَتْهُ الشِّفَاهُ، حَدَّ

الْاَشْيَآءَ عِنْدَ خَلْقِهٖ لَهَآ اِبَانَةً لَّهٗ مِنْ شَبَهِهَا. لَا تُقَدِّرُهُ الْاَوْهَامُ بِالْحُدُوْدِ وَ الْحَرَكَاتِ، وَ لَا بِالْجَوَارِحِ وَ الْاَدَوَاتِ. لَا يُقَالُ لَهٗ: "مَتٰى؟" وَ لَا يُضْرَبُ لَهٗ اَمَدٌ "بِحَتّٰى". الظَّاهِرُ لَا يُقَالُ: "مِمَّا؟" وَ الْبَاطِنُ لَا يُقَالُ: "فِيْمَا؟".

لَا شَبَحٌ فَيَتَقَضّٰى، وَ لَا مَحْجُوْبٌ فَيُحْوٰى، لَمْ يَقْرُبْ مِنَ الْاَشْيَآءِ بِالْتِصَاقٍ، وَ لَمْ يَبْعُدْ عَنْهَا بِافْتِرَاقٍ. لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ مِنْ عِبَادِهٖ شُخُوْصُ لَحْظَةٍ، وَ لَا كُرُوْرُ لَفْظَةٍ، وَ لَا ازْدِلَافُ رَبْوَةٍ، وَ لَا انْبِسَاطُ خُطْوَةٍ فِيْ لَيْلٍ دَاجٍ، وَ لَا غَسَقٍ سَاجٍ. يَتَفَيَّاُ عَلَيْهِ الْقَمَرُ الْمُنِيْرُ، وَ تَعْقُبُهُ الشَّمْسُ ذَاتُ النُّوْرِ فِي الْاُفُوْلِ وَ الْكُرُوْرِ، وَ تَقَلُّبِ الْاَزْمِنَةِ وَ الدُّهُوْرِ، مِنْ اِقْبَالِ لَيْلٍ مُّقْبِلٍ، وَاِدْبَارِ نَهَارٍ مُّدْبِرٍ. قَبْلَ كُلِّ غَايَةٍ وَّ مُدَّةٍ، وَ كُلِّ اِحْصَآءٍ وَعِدَّةٍ، تَعَالٰى عَمَّا يَنْحَلُهُ الْمُحَدِّدُوْنَ مِنْ صِفَاتِ الْاَقْدَارِ، وَ نِهَايَاتِ الْاَقْطَارِ، وَ تَاَثُّلِ الْمَسَاكِنِ، وَتَمَكُّنِ الْاَمَاكِنِ. فَالْحَدُّ لِخَلْقِهٖ مَضْرُوْبٌ، وَ اِلٰى غَيْرِهٖ مَنْسُوْبٌ.

لَمْ يَخْلُقِ الْاَشْيَآءَ مِنْ اُصُوْلٍ اَزَلِيَّةٍ، وَ لَا مِنْ اَوَآئِلَ اَبَدِيَّةٍ، بَلْ خَلَقَ مَا خَلَقَ فَاَقَامَ حَدَّهٗ، وَ صَوَّرَ مَا صَوَّرَ فَاَحْسَنَ صُوْرَتَهٗ، لَيْسَ لِشَيْءٍ مِّنْهُ

امْتِنَاعٌ، وَ لَا لَهُ بِطَاعَةِ شَیْءٍ انْتِفَاعٌ، عِلْمُهُ بِالْاَمْوَاتِ الْمَاضِیْنَ کَعِلْمِهِ بِالْاَحْیَآءِ الْبَاقِیْنَ، وَ عِلْمُهُ بِمَا فِی السَّمٰوٰتِ الْعُلٰی کَعِلْمِهِ بِمَا فِی الْاَرَضِیْنَ السُّفْلٰی.[1]

سب تعریف اللہ کے لئے جو تمام بندوں کا پیدا کرنے والا، زمین کا فرش بچھانے والا، نشیبوں میں جل تھل کرنے والا اور اونچے اونچے ٹیلوں کو ہرا بھرا بنانے والا ہے۔ اس کے پہلے ہونے کا کوئی سرا نہیں اور اس کی ہمیشہ رہنے کا کوئی آخری کنارا نہیں۔ وہ پہلا ایسا ہے جو کبھی نابود نہ تھا اور وہ ہمیشہ رہنے والا ایسا ہے جس کی کوئی معیاد نہیں۔ پیشانیوں کو اس کے سامنے جھکنا اور لبوں کو اس کی توحید کا اقرار کرنا ہے۔[۲]

اس نے تمام اشیاء کو محدود بنا دیا اسی وقت جب انہیں پیدا کیا جس سے اس کی ہستی کا مماثلت سے الگ ہونا نمودار ہوگیا۔[۳]

---

[۱] نہج البلاغہ ط مصر، ج۱، ص۳۱۹

[۲] خداپرستوں کو شعوری اور اختیاری طور پر جو ان کے لئے مستوجب ثواب بھی ہے اور دوسروں کو زبان تکوین سے اضطراری طور پر جس مین وہ جمادات و بیانات حیوانات کے ساتھ شریک ہیں اس لئے اس اقرار کی ان کے لئے جزا نہیں ہے۔

[۳] اس لئے کہ وہ لامحدود ہے اور خالق اور یہ محدود ہیں اور مخلوق۔

تصورات اس کا پیمانہ حدود اور حرکات اور اعضاء و جوارح کے امتیازات کے ساتھ نہیں قائم کر سکتے۔ یہ کہنا اس کے لئے درست نہیں کہ وہ کب وجود میں آیا ورنہ "کب تک" کے ساتھ اس کی انتہا کو بتایا جا سکتا ہے۔ وہ آشکارا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کاہے میں سے[1]۔

اور پوشیدہ ہے مگر یہ کہنا نہیں ممکن کہ کاہے میں۔ نہ وہ کوئی پرچھائیں ہے جو گزر جائے۔ نہ کسی پردہ میں گھرا ہوا ہے جو محدود ہو جائے۔ نہ وہ چیزوں سے قریب ہے اتصال کے ساتھ اور نہ دور ہے جدائی کے لحاظ سے[2]۔

اس پر اپنے بندوں کی کوئی بات چھپتی نہیں۔ نہ کسی نگاہ کی جنبش نہ زبان کی گردش، نہ کسی بلند ٹیلے کی دور سے جھلکی، نہ شب تاریک میں کسی قدم کا بڑھنا، نہ اندھیرے کا کوئی سناٹا جس پر چمکتا ہوا چاند اپنی پرچھائیں ڈالے اور اسے اس کے عقب میں سورج آ کر اپنے طلوع غروب کا جلوہ دکھائے اور نہ زمانہ کی کوئی

---

[1] ہر چیز میں ظاہر ہونے کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کوئی پردہ اس پر محیط تھا اور وہ اس پردہ میں سے نمودار ہوئی لیکن اللہ کا ظہور اس کے آثار قدرت کی بنا پر ہے نہ کوئی جسمانی پردہ ہے اور نہ پردہ سے کوئی جسمانی ظہور ہے۔

[2] اس کی کوئی بات بھی جسمانی نہیں ہے کیونکہ وہ جسم و جسمانیات سے بری ہے۔

کروٹ اور وقت کا کوئی پلٹا جیسے آتی ہوئی رات کی پیش قدمی اور جاتے ہوئے دن کی رو گردانی[1]۔

وہ ہر وقت و مدت اور ہر معیاد و شمار سے پہلے ہے اور حد بندی کرنے والے جو اس کے لئے پیمانہ اور وقت اور جسامت اور قیام اور سکونت کے اوصاف منسوب کرتے ہیں۔ ان سب سے وہ بری ہے اس لئے کہ حدیں تو اس کے مخلوق ہی کے لئے مقرر اور اس کی غیر ہی کی طرف منسوب ہو سکتی ہیں۔ اس نے مخلوقات کو ایسے بنیادی اجزاء سے جو ازلی اور ابدی ہو پیدا نہیں کیا[2]۔

بلکہ جسے پیدا کیا اس کے حدود خود قائم کئے اور جس کی صورت گری کی وہ بہترین کی، کوئی چیز اس کے اثر کو قبول کرنے سے انکاری نہیں ہو سکتی اور اسے ان میں سے کسی سے کچھ فائدہ اٹھانا نہیں ہے۔ اس کا علم سابق میں گزر چکنے والوں کے متعلق ویسا ہی ہے جیسے باقی ماندہ جیتے جاگتے اشخاص کے متعلق اور اسے سب سے اونچے آسمانوں کا ویسے ہی علم ہے جیسا نیچے کی زمینوں کا[3]۔

---

[1] یہ سبب علم الٰہی کے جزئیات پر محیط ہونے کو ذہن نشین کرنے والی تفصیلات ہیں جن کی نظیر اس کے پہلے بھی حضرت کے کلام میں گذر چکی ہے۔

[2] یہ مادہ کے قدیم اور لافانی ہونے کی رد ہے۔

[3] یعنی زمان اور مکان دونوں میں کسی کا بھی فرق اس کے علم میں تفریق کا باعث نہیں ہے۔

(۱۴)

خطبہ ۱۷۶

لَا یَشْغَلُهُ شَأْنٌ عَنْ شَأْنٍ، وَ لَا یُغَیِّرُهُ زَمَانٌ، وَ لَا یَحْوِیهِ مَكَانٌ، وَ لَا یَصِفُهُ لِسَانٌ، وَلَا یَعْزُبُ عَنْهُ عَدَدُ قَطْرِ الْمَآءِ، وَلَا نُجُوْمِ السَّمَآءِ، وَلَا سَوَافِي الرِّیْحِ فِي الْهَوَآءِ، وَلَا دَبِیْبُ النَّمْلِ عَلَى الصَّفَا، وَلَا مَقِیْلُ الذَّرِّ فِي اللَّیْلَةِ الظَّلْمَآءِ. یَعْلَمُ مَسَاقِطَ الْاَوْرَاقِ، وَ خَفِيَّ طَرْفِ الْاَحْدَاقِ.

وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ غَیْرَ مَعْدُوْلٍ بِهٖ، وَلَا مَشْكُوْكٍ فِیْهِ، وَلَا مَكْفُوْرٍ دِیْنُهٗ، وَلَا مَجْحُوْدٍ تَكْوِیْنُهٗ، شَهَادَةَ مَنْ صَدَقَتْ نِیَّتُهٗ، وَصَفَتْ دِخْلَتُهٗ، وَ خَلَصَ یَقِیْنُهٗ، وَ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ.[1]

اسے کوئی مشغلہ محویت پیدا نہیں کرتا۔ زمانہ کا کوئی دور اس میں تبدیلی کا باعث نہیں ہوتا، کوئی جگہ اس کو حاوی نہیں ہوتی اور کوئی زبان اس کی ثناء و صفت کا حق ادا نہیں کر سکتی ۔اس سے پانی کے قطروں کی تعداد، آسمان کے تاروں کی گنتی، ہوا کے جھونکوں کا شمار، پتھر پر چونٹیوں کے رینگنے کی کیفیت اور شب تاریک میں چیونٹیوں کے قیام کی جگہ کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔ وہ پتوں کے گرنے کی

[1] نہج البلاغہ ط مصر، ج۱، ص ۳۵۳

جگہوں کو جانتا اور حلقہ ہائے چشم کے اندر سے نگاہوں کی مخفی گردشوں سے واقف ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کی کوئی معبود برحق نہیں۔ نہ کوئی اس کا مدمقابل ہے نہ اس میں کسی شک کی گنجائش ہے۔ نہ اس کے دین کا انکار ممکن ہے اور نہ اس کی تخلیق کو مکرایا جاسکتا ہے۔ یہ گواہی ایسے شخص کی ہے جس کی نیت سچی، باطن صاف، یقین خالص اور اعمال مال وزنی ہیں[1]۔

(١٥)

خطبہ ١٧٧

وَ قَدْ سَئَلَهٗ ذِعْلِبُ الْيَمَانِيُّ فَقَالَ:

هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ يَآ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ؟ فَقَالَ عليه السلام: اَفَاَعْبُدُ مَا لَآ اَرٰى؟ فَقَالَ: وَ كَيْفَ تَرَاهُ؟ فَقَالَ: لَا تَرَاهُ الْعُيُوْنُ بِمُشَاهَدَةِ الْعِيَانِ، وَ لٰكِنْ تُدْرِكُهُ الْقُلُوْبُ بِحَقَآئِقِ الْاِيْمَانِ، قَرِيْبٌ مِّنَ الْاَشْيَآءِ غَيْرُ مُلَامِسٍ، بَعِيْدٌ مِّنْهَا غَيْرُ مُبَايِنٍ، مُتَكَلِّمٌ لَا بِرَوِيَّةٍ، مُرِيْدٌ لَا بِهِمَّةٍ، صَانِعٌ لَّا بِجَارِحَةٍ. لَطِيْفٌ لَّا يُوْصَفُ بِالْخَفَآءِ، كَبِيْرٌ لَّا يُوْصَفُ بِالْجَفَآءِ، بَصِيْرٌ

---

[1] یعنی یہ گواہی خود ہی صحیح معنی میں اعمال کے وزنی بنادینے کی ضامن ہے۔

لَّا يُوْصَفُ بِالْحَاسَّةِ، رَحِيْمٌ لَّا يُوْصَفُ بِالرِّقَّةِ. تَعْنُو الْوُجُوْهُ لِعَظَمَتِهٖ، وَ تَجِبُ الْقُلُوْبُ مِنْ مَّخَافَتِهٖ.[1]

ذعلب یمنی نے حضرت سے سوال کیا کہ کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ فرمایا: تو پھر کیا اس کی عبادت کرتا ہوں جسے دیکھتا نہیں[۲]۔

---

[۱] نہج البلاغہ ط مصر، ج ۱، ص ۳۵۵

[۲] چونکہ سائل ہنگام سوال اس ذہنیت کا حامل تھا کہ عبادت کے لیے یقین کی ضرورت ہے اور یقین کا درجہ رویت میں منحصر ہے۔ اس میں پہلا جز صحیح ہے اور دوسرا غلط ہے لیکن اپنے سوال میں وہ اپنے ذہنی پس منظر کے اجزاء کے متعلق کوئی سوال نہیں کرتا یعنی نہ یہ پوچھتا ہے کہ کیا عبادت کے لیے یقین کی ضرورت ہے جس کا جواب بلا دغدغہ اقرار ہوتا اور نہ یہ کہ کیا یقین رویت میں منحصر ہے۔ جس کا جواب انکار ہوتا۔ اس نے اس سب کو ذہن میں رکھتے ہوئے صرف رویت کے ثبوت و نفی کے بارے میں سوال کر لیا کہ آپ کو معبود کی رویت ہوئی یا نہیں۔ اب اگر اس سوال کے بارے میں جواب میں سیدھا سادہ انکار کر دیا جاتا تو وہ آگے شاید کچھ نہ پوچھتا بس اپنی جگہ یہ طے کر لیتا کہ پھر اس کا یقین نہیں اور جب یقین نہیں تو عبادت لاحاصل ہے۔ اور یا سوال کرتا اور پھر اس کی رد کر دی جاتی۔ اس میں پہلی صورت تو بڑی خطرناک تھی کیونکہ وہ گمراہی میں راسخ ہو رہا تھا اور دوسری صورت پر طوالت تھی اس لیے آپ نے یہ حکیمانہ طرز اختیار فرمایا کہ پہلے اس کا جواب اس کی توقع کے بالکل خلاف اقرار کی صورت میں دیا جس سے وہ ایک دم چونک کر کچھ آگے معلوم کرنے کے لیے بے چین ہو جائے اور پھر کا اظہار فرما دیا۔ جس میں اس کی بنیادی غلطی کا پردہ چاک کر دیا کہ اصل ضرورت یقین کی ہے اور یقین کے لئے رؤیت بصری کی احتیاج نہیں ہے بلکہ شعور بصیرتی کافی ہے۔ اس میں ایک نکتہ یہ مستحق توجہ ہے کہ اس نے سوال بصیغہ ماضی کیا تھا کہ "ھل رایت ربک" اس لیے کہ وہ رؤیت کو بمعنی رؤیت بصری لے رہا تھا جو وقتی و ہنگامی عمل ہے اور آپ نے جواب میں رؤیت کا اقرار کرتے ہوئے ماضی کو مضارع سے بدل دیا جو استمرار کا پتا دیتا ہے یعنی یہ نہیں کہ کہا کہ "افاعبد مالم ار" کیا اس کی عبادت کرتا ہوں جسے دیکھتا نہیں۔ بلکہ فرمایا: "افاعبد مالا اری" کیا اس کی عبادت کرتا ہوں جسے دیکھتا نہیں۔ یہ وہ "دیکھنا" نہیں ہے جو کسی وقت خاص پر کبھی ہوا ہو۔ بلکہ یہ ایک صفت قائم مستمر ہے جو ہر وقت بہر حال اور ہر عبادت کے موقع پر حاصل ہے اور وہ کمال یقین کے سوا کچھ نہیں ہے۔

انہوں نے کہا: آپ اسے دیکھتے کیونکر ہیں؟ فرمایا: "آنکھیں نظروں کے مشاہدہ سے اسے نہیں دیکھا کرتیں بلکہ دل ایمان کی حقیقتوں کی روشنی میں اسے جلوہ گر پاتے ہیں۔ وہ تمام چیزوں سے قریب ہے مگر چھوتا ہوا نہیں اور دور ہے مگر فاصلہ کے ساتھ نہیں۔ وہ کلام کرنے والا ہے مگر غور و فکر کے ساتھ نہیں اور ارادہ کرنے والا ہے مگر دل کے جوش و ولولہ کی کیفیت سے نہیں۔ وہ کار گزار ہے بغیر اعضاء و جوارح کے اور صاف و شفاف ہے مگر باریکی کے انداز میں نہیں۔ بڑا ہے مگر گراں بار تن و توش کے ساتھ نہیں۔ دیکھنے والا ہے مگر قوائے حاسہ کے ساتھ نہیں اور بڑا ہی ترس کھانے والا اور مہربان ہے مگر رقت قلب کے ساتھ نہیں[1]۔

چہرے اس کی عظمت کے سامنے افتادہ اور دل اسکے خوف سے لرزاں ہیں۔

[1] یہاں ان چیزوں کا تذکرہ اس مقصد سے ہے کہ اللہ کے لیے تمام الفاظ جن کی نسبت دی جاتی ہے وہ اسی طرح کے ان کے نتائج لے لئے جاتے ہیں اور ذرائع ترک کر دیئے جاتے ہیں مثلا خود اللہ بصیر ہے تو کیا آنکھوں سے دیکھتا ہے؟ نہیں بلکہ بصر کا نتیجہ جو ہے یعنی علم وہ اس کی ذات کے لیے ثابت ہے کیونکہ کمال ہے اور ذریعہ یعنی آنکھوں کی احتیاج مفقود ہے کیونکہ نقص ہے۔ پھر جس طرح اسے کہتے ہیں کہ وہ دیکھتا ہے مگر آنکھوں کے ذریعہ سے نہیں۔ اسی طرح ہم کہیں کہ ہم اسے دیکھتے ہیں تو یہاں بھی دیکھنے کا نتیجہ لے لو یعنی کمال یقین۔ وہ حق ہے اور ذریعہ چھوڑ دو یعنی مشاہدہ جسمانی کہ وہ باطل ہے۔

(١٦)

خطبہ ١٨٠

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ مَصَآئِرُ الْخَلْقِ، وَ عَوَاقِبُ الْاَمْرِ. نَحْمَدُهٗ عَلٰی عَظِیْمِ اِحْسَانِهٖ، وَ نَیِّرِ بُرْهَانِهٖ، وَ نَوَامِیْ فَضْلِهٖ وَ امْتِنَانِهٖ. حَمْدًا یَّكُوْنُ لِحَقِّهٖ قَضَآءً، وَ لِشُكْرِهٖۤ اَدَآءً، وَ اِلٰی ثَوَابِهٖ مُقَرِّبًا، وَ لِحُسْنِ مَزِیْدِهٖ مُوْجِبًا. وَ نَسْتَعِیْنُ بِهٖ اسْتِعَانَةَ رَاجٍ لِّفَضْلِهٖ، مُؤَمِّلٍ لِّنَفْعِهٖ، وَاثِقٍ بِدَفْعِهٖ، مُعْتَرِفٍ لَّهٗ بِالطَّوْلِ، مُذْعِنٍ لَّهٗ بِالْعَمَلِ وَ الْقَوْلِ. وَ نُؤْمِنُ بِهٖۤ اِیْمَانَ مَنْ رَّجَاهُ مُوْقِنًا، وَ اَنَابَ اِلَیْهِ مُؤْمِنًا، وَ خَنَعَ لَهٗ مُذْعِنًا، وَ اَخْلَصَ لَهٗ مُوَحِّدًا، وَ عَظَّمَهٗ مُمَجِّدًا، وَ لَاذَ بِهٖ رَاغِبًا مُّجْتَهِدًا. لَمْ یُوْلَدْ سُبْحَانَهٗ فَیَكُوْنَ فِی الْعِزِّ مُشَارَكًا، وَ لَمْ یَلِدْ فَیَكُوْنَ مَوْرُوْثًا هَالِكًا، وَ لَمْ یَتَقَدَّمْهُ وَقْتٌ وَّ لَا زَمَانٌ، وَ لَمْ یَتَعَاوَرْهُ زِیَادَةٌ وَّ لَا نُقْصَانٌ، بَلْ ظَهَرَ لِلْعُقُوْلِ بِمَاۤ اَرَانَا مِنْ عَلَامَاتِ التَّدْبِیْرِ الْمُتْقَنِ، وَ الْقَضَآءِ الْمُبْرَمِ.

فَمِنْ شَوَاهِدِ خَلْقِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ مُوَطَّدَاتٍ بِلَا عَمَدٍ، قَآئِمَاتٍ بِلَا سَنَدٍ، دَعَاهُنَّ فَاَجَبْنَ طَآئِعَاتٍ مُّذْعِنَاتٍ، غَیْرَ مُتَلَكِّئَاتٍ وَّ لَا مُبْطِئَاتٍ، وَ لَوْلَا اِقْرَارُهُنَّ لَهٗ بِالرُّبُوْبِیَّةِ وَ اِذْعَانُهُنَّ لَهٗ بِالطَّوَاعِیَةِ، لَمَا جَعَلَهُنَّ مَوْضِعًا لِّعَرْشِهٖ، وَ لَا مَسْكَنًا لِّمَلٰٓئِكَتِهٖ، وَ لَا مَصْعَدًا لِّلْكَلِمِ الطَّیِّبِ وَ الْعَمَلِ

الصَّالِحِ مِنْ خَلْقِهٖ. جَعَلَ نُجُوْمَهَآ اَعْلَامًا يَّسْتَدِلُّ بِهَا الْحَيْرَانُ فِيْ مُخْتَلِفِ فِجَاجِ الْاَقْطَارِ. لَمْ يَمْنَعْ ضَوْءَ نُوْرِهَا ادْلِهْمَامُ سُجُفِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، وَ لَا اسْتَطَاعَتْ جَلَابِيْبُ سَوَادِ الْحَنَادِسِ اَنْ تَرُدَّ مَا شَاعَ فِي السَّمٰوٰتِ مِنْ تَلَأْلُؤِ نُوْرِ الْقَمَرِ.

فَسُبْحَانَ مَنْ لَّا يَخْفٰى عَلَيْهِ سَوَادُ غَسَقٍ دَاجٍ، وَّ لَا لَيْلٍ سَاجٍ، فِيْ بِقَاعِ الْاَرَضِيْنَ الْمُتَطَاْطِئَاتِ، وَ لَا فِيْ يَفَاعِ السُّفْعِ الْمُتَجَاوِرَاتِ، وَ مَا يَتَجَلْجَلُ بِهِ الرَّعْدُ فِيْٓ اُفُقِ السَّمَآءِ، وَ مَا تَلَاشَتْ عَنْهُ بُرُوْقُ الْغَمَامِ، وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ تُزِيْلُهَا عَنْ مَّسْقَطِهَا عَوَاصِفُ الْاَنْوَآءِ وَ انْهِطَالُ السَّمَآءِ! وَ يَعْلَمُ مَسْقَطَ الْقَطْرَةِ وَ مَقَرَّهَا، وَ مَسْحَبَ الذَّرَّةِ وَ مَجَرَّهَا، وَ مَا يَكْفِي الْبَعُوْضَةَ مِنْ قُوْتِهَا، وَ مَا تَحْمِلُ الْاُنْثٰى فِيْ بَطْنِهَا.

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْكَآئِنِ قَبْلَ اَنْ يَّكُوْنَ كُرْسِيٌّ اَوْ عَرْشٌ، اَوْ سَمَآءٌ اَوْ اَرْضٌ، اَوْ جَانٌّ اَوْ اِنْسٌ. لَا يُدْرَكُ بِوَهْمٍ، وَ لَا يُقَدَّرُ بِفَهْمٍ، وَ لَا يَشْغَلُهٗ سَآئِلٌ، وَ لَا يَنْقُصُهٗ نَآئِلٌ، وَ لَا يَنْظُرُ بِعَيْنٍ، وَ لَا يُحَدُّ بِاَيْنٍ، وَ لَا يُوْصَفُ بِالْاَزْوَاجِ، وَ لَا يَخْلُقُ بِعِلَاجٍ، وَ لَا يُدْرَكُ بِالْحَوَاسِّ، وَ لَا يُقَاسُ بِالنَّاسِ، الَّذِيْ كَلَّمَ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا، وَ اَرَاهُ مِنْ اٰيَاتِهٖ عَظِيْمًا، بِلَا جَوَارِحَ وَ لَآ اَدَوَاتٍ، وَ لَا نُطْقٍ وَّ لَا لَهَوَاتٍ. بَلْ اِنْ كُنْتَ صَادِقًا اَيُّهَا الْمُتَكَلِّفُ

لِوَصْفِ رَبِّكَ، فَصِفْ جِبْرَئِيْلَ وَ مِيْكَآئِيْلَ وَ جُنُوْدَ الْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ، فِيْ حُجُرَاتِ الْقُدُسِ مُرْجَحِنِّيْنَ، مُتَوَلِّهَةً عُقُوْلُهُمْ اَنْ يَّحُدُّوْآ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ. فَاِنَّمَا يُدْرَكُ بِالصِّفَاتِ ذَوُو الْهَيْئَاتِ وَ الْاَدَوَاتِ، وَ مَنْ يَّنْقَضِيْ اِذَا بَلَغَ اَمَدَ حَدِّهِ بِالْفَنَآءِ. فَلَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، اَضَآءَ بِنُوْرِهٖ كُلَّ ظَلَامٍ، وَ اَظْلَمَ بِظُلْمَتِهٖ كُلَّ نُوْرٍ.[1]

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس کی طرف تمام خلق کی بات بازگشت اور تمام چیزوں کی رجوع ہے۔ ہم اس کی ستائش کرتے ہیں اس کے بڑے اچھے سلوک، اس کے روشن دلائل، اس کی بڑھی چڑھی بخشش وعطااور منت واحسان پر۔ ایسی تعریف جو اس کے حق کی ادائی، اس کے شکر کی بجاآوری اور اس کے ثواب سے قریب کرنے کا ذریعہ اور اس کی نعمت کی فراوانی کا سبب ہو۔ اور اس سے ہم مدد کے ملتجی ہیں ایسے شخص کی التجا جو اس کے فضل اور کرم کا امیدوار، اس کی طرف سے فائدہ کا متوقع، اس کی جانب سے مصیبت کے دفعیہ پر بھروسا رکھنے والا، اس کی بخشش و عطا کا مقر اور کردار و گفتار میں اس کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہو۔ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں ایسے شخص والا ایمان جو یقین کے ساتھ اس سے آس لگائے ہو، ایمان رکھتے ہوئے اس سے لو لگائے، اس کی وحدت کے اعتقاد پر قائم

---

[1] نہج البلاغہ ط مصر، ج ا، ص ۳۵۹

رہتے ہوئے خلوص سے اس کی عبادت کرے، اس کی عظمت کے صحیح احساس سمیت اس کی بزرگی و عظمت کا اظہار کرتا ہو، اور ذوق و شوق اور جدوجہد کے ساتھ اس کی طرف پناہ لینا چاہتا ہو۔ وہ کسی کی اولاد نہیں کہ عزت میں کسی کا حصہ دار ہو[1]۔

اور اس کے کوئی اولاد نہیں کہ وہ اسے متروکہ کا وارث بنا کر خود گزر جائے اور کوئی دقت یا زمانہ اس کے پہلے نہیں گزرا اور زیادتی اور کمی کا اس میں گزر نہیں ہوا بلکہ وہ عقلوں کے سامنے نمایاں ہوا پائیدار نظم و تدبیر اور اٹل فیصلہ تقدیر کی ان علامتوں سے جو اس نے ہمیں آنکھوں سے دکھلادیں[2]۔

پاک و مقدس ہے وہ ذات جس سے کوئی چیز چھپتی نہیں۔ نہ تاریک رات کی سیاہی اور نہ پرسکون شب کا سناٹا۔ پست سے پست نشیبی زمینوں میں اور نہ پاس پاس کے اونچے سے اونچے ٹیلوں کی بلندیوں میں، نہ وہ گھڑگھڑاہٹ جو اطراف آسمان میں بادل کی گرج میں ہوتی ہے اور نہ وہ جگمگاہٹ جو بجلی کے چمک چمک کر غائب ہونے میں نمودار ہوتی ہے اور نہ وہ کوئی زمین پر گرا ہوا درخت کا پتہ جسے اس کے مقام سے ہوا کے جھکڑوں اور موسلا دھار بارش نے گرادیا ہے۔ وہ قطرہ

---

[1] یعنی اس کی عزت ذاتی ہے کسی دوسرے کی بدولت نہیں۔
[2] آنکھوں سے علامتیں دکھائیں اور ان کے ذریعہ سے وہ خود عقل کے سامنے نمایاں ہوا۔ آنکھوں کے سامنے نہیں۔

باراں کے گرنے اور ٹھہرنے کی جگہ، چیونٹی کے رینگنے اور اناج کو کھینچ کر لے جانے کے مقام، جو ایک مچھر کی غذا کافی ہو سکتی ہے اس کی مقدار اور جو ایک ماں اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہے اس کی نوعیت سے باخبر ہے۔

سب تعریف اللہ کے لئے جو موجود تھا عرش و کرسی, آسمان وزمین اور جن وانس سب کے پہلے، وہم و خیال کا اس پر دسترس نہیں اور عقل و فہم اسے کسی پیمانہ میں محدود کرنے سے قاصر ہے۔ کوئی سوال کرنے والا اسے مصروف نہیں بناتا[1]

اور کوئی بخشش وعطا اس میں کمی نہیں پیدا کرتی۔ وہ آنکھ سے نہیں دیکھتا اور "کہاں" کی قید میں محدود نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں اور وہ پیدا کرنے میں فکر وتدبیر کا محتاج نہیں۔ حواس سے اس کا ادراک ناممکن اور آدمیوں پر اس کا قیاس غلط ہے۔

اوصاف کے ذریعہ سے ادراک تو صورت و شکل اور اعضاء و جوارح رکھنے والی چیزوں کا ہوتا ہے اور ایسی چیز کا جو عمر پوری ہونے پر فنا کی رہ گزر پر روانہ ہو جائے اور وہ تو ایسا ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اس کی طرف سے ہر تاریکی میں روشنی پیدا ہوئی اور اس کی طرف کی ظلمت سے ہر نور میں تاریکی پیدا ہوئی۔

---

[1] یعنی اس کے یہاں یہ نہیں ہوتا کہ ایک سائل کے درد دل کو سن کر اس کی دستگیری کی طرف جو توجہ ہوئی تو دوسروں کی طرف التفات کا موقع نہ رہا اور ایک کے حال زار پر تاثر میں اتنی محویت ہوئی کہ دوسروں کی فکر نہ رہی۔

(۱۷)

خطبہ ۱۸۳

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَا تُدْرِکُهُ الشَّوَاهِدُ، وَ لَا تَحْوِیْهِ الْمَشَاهِدُ، وَ لَا تَرَاهُ النَّوَاظِرُ، وَ لَا تَحْجُبُهُ السَّوَاتِرُ. الدَّالِّ عَلٰی قِدَمِهٖ بِحُدُوْثِ خَلْقِهٖ، وَ بِحُدُوْثِ خَلْقِهٖ عَلٰی وُجُوْدِهٖ، وَ بِاشْتِبَاهِهِمْ عَلٰۤی اَنْ لَّا شِبْهَ لَهٗ. الَّذِیْ صَدَقَ فِیْ مِیْعَادِهٖ، وَ ارْتَفَعَ عَنْ ظُلْمِ عِبَادِهٖ، وَ قَامَ بِالْقِسْطِ فِیْ خَلْقِهٖ، وَ عَدَلَ عَلَیْهِمْ فِیْ حُکْمِهٖ، مُسْتَشْهِدٌۢ بِحُدُوْثِ الْاَشْیَآءِ عَلٰی اَزَلِیَّتِهٖ، وَ بِمَا وَسَمَهَا بِهٖ مِنَ الْعَجْزِ عَلٰی قُدْرَتِهٖ، وَ بِمَا اضْطَرَّهَاۤ اِلَیْهِ مِنَ الْفَنَآءِ عَلٰی دَوَامِهٖ. وَاحِدٌ لَّا بِعَدَدٍ، وَ دَآئِمٌ لَّا بِاَمَدٍ، وَ قَآئِمٌ لَا بِعَمَدٍ، تَتَلَقَّاهُ الْاَذْهَانُ لَا بِمُشَاعَرَةٍ، وَ تَشْهَدُ لَهُ الْمَرَآئِیْ لَا بِمُحَاضَرَةٍ، لَمْ تُحِطْ بِهِ الْاَوْهَامُ، بَلْ تَجَلّٰی لَهَا بِهَا، وَ بِهَا امْتَنَعَ مِنْهَا، وَ اِلَیْهَا حَاکَمَهَا، لَیْسَ بِذِیْ کِبَرٍ امْتَدَّتْ بِهِ النِّهَایَاتُ فَکَبَّرَتْهُ تَجْسِیْمًا، وَ لَا بِذِیْ عِظَمٍ تَنَاهَتْ بِهِ الْغَایَاتُ فَعَظَّمَتْهُ تَجْسِیْدًا، بَلْ کَبُرَ شَاْنًا وَّ عَظُمَ سُلْطَانًا.[1]

---

[1] نہج البلاغہ، ج۱، ص ۳۷۲

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس کی کنہ حقیقت تک شواہد و نظائر کی رسائی نہیں[۱]۔

چشم دید مناظر اس پر حاوی نہیں، آنکھیں اسے دیکھتی نہیں اور پردے اسے چھپاتے نہیں[۲]۔

جو اپنی مخلوقات کے حدود سے اپنے قدم کا پتہ دیتا اور ان کے فنا پذیر ہونے سے اپنے لازوال وجود کا اور ان کی باہمی مشابہت سے اپنے بے مثال ہونے کا ثبوت دیتا ہے[۳]۔

وہ جو اپنے وعدوں میں سچا اور بندوں پر ظلم کرنے سے بری ہے۔ اس نے مخلوقات میں عدالت کے نظام کو قائم کیا اور ان کے درمیان اپنے فیصلوں میں عدالت سے کام لیا ہے۔ تمام چیزوں کا نیست کے بعد ہست ہونا اس کے ہمیشہ سے موجود ہونے پر اور تمام چیزوں پر اس نے جو عاجزی کا تمغا لگا دیا ہے وہ اس کی قدرت پر اور انہیں جو فنا ہونے کی مجبوری میں گرفتار کر دیا ہے وہ اس کے لازوال ہونے پر گواہ ہے۔ وہ ایک ہے مگر گنتی کے طور پر نہیں، ہمیشہ رہنے والا ہے مدت

---

[۱] یعنی شاہد اور نظیر پیش کرکے اس کی کنہ حقیقت کو سمجھایا نہیں جا سکتا۔
[۲] عقل کی آنکھوں سے نہیں چھپاتے۔
[۳] کیونکہ یہی نقائص انہیں خالق کا محتاج بناتے ہیں تو جو اصل خالق ہو اسے ان نقائص سے بری ہونا چاہئے۔

کے ساتھ نہیں، قائم ہے بغیر کسی سہارے کے، اسے انسانوں کے ذہن قبول کرتے ہیں مگر احساس کے ذریعہ سے نہیں اور مناظر اس کے گواہ ہیں مگر عینی مشاہدہ کے ساتھ نہیں، عقول انسانی اس پر حاوی نہیں ہو سکتے بلکہ وہ ان ہی کی بدولت آشکارا اور ان ہی کی بناپر ان سے پنہاں ہے[۱]۔

اور ان ہی سے ان کے خلاف فیصلہ لیتا ہے[۲]۔

وہ اس طرح کی بڑائی والا نہیں کہ اس کے اطراف ادھر ادھر پھیلے ہوئے ہوں جنھوں نے جسامت کے اعتبار سے اسے بڑا کر دیا اور اس کی عظمت اس لحاظ سے نہیں ہے کہ اس کے حدود جسمانی دور تک ہوں جنھوں نے ڈیل ڈول میں اسے بہت بھاری بھر کم بنا دیا ہو بلکہ وہ شان کے لحاظ سے بڑا اور اقتدار کے اعتبار سے عظیم ہے۔

---

[۱] عقل ہی نے کائنات کو دیکھ کر اس کا پتہ دیا ہے اور عقل ہی یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اس کی کنہ حقیقت تک رسائی ممکن نہیں۔
[۲] عقل کو خود ہی معرفت ذات میں اپنی کوتاہی کا احساس ہے۔

(۱۸)

خطبہ ۱۸۴

مَا وَحَّدَهٗ مَنْ كَيَّفَهٗ، وَ لَا حَقِيْقَتَهٗٓ اَصَابَ مَنْ مَثَّلَهٗ، وَ لَآ اِيَّاهُ عَنٰى مَنْ شَبَّهَهٗ، وَ لَا صَمَدَهٗ مَنْ اَشَارَ اِلَيْهِ وَ تَوَهَّمَهٗ. كُلُّ مَعْرُوْفٍ بِنَفْسِهٖ مَصْنُوْعٌ، وَ كُلُّ قَآئِمٍ فِيْ سِوَاهُ مَعْلُوْلٌ. فَاعِلٌ لَّا بِاضْطِرَابِ اٰلَةٍ، مُقَدِّرٌ لَّا بِجَوْلِ فِكْرَةٍ، غَنِيٌّ لَّا بِاسْتِفَادَةٍ. لَا تَصْحَبُهُ الْاَوْقَاتُ، وَ لَا تَرْفِدُهُ الْاَدَوَاتُ، سَبَقَ الْاَوْقَاتَ كَوْنُهٗ، وَ الْعَدَمَ وُجُوْدُهٗ، وَ الِابْتِدَآءَ اَزَلُهٗ. بِتَشْعِيْرِهِ الْمَشَاعِرَ عُرِفَ اَنْ لَّا مَشْعَرَ لَهٗ، وَ بِمُضَادَّتِهٖ بَيْنَ الْاُمُوْرِ عُرِفَ اَنْ لَّا ضِدَّ لَهٗ، وَ بِمُقَارَنَتِهٖ بَيْنَ الْاَشْيَآءِ عُرِفَ اَنْ لَّا قَرِيْنَ لَهٗ. ضَادَّ النُّوْرَ بِالظُّلْمَةِ، وَ الْوُضُوْحَ بِالْبُهْمَةِ، وَ الْجُمُوْدَ بِالْبَلَلِ، وَ الْحَرُوْرَ بِالصَّرَدِ. مُؤَلِّفٌ بَيْنَ مُتَعَادِيَاتِهَا، مُقَارِنٌ بَيْنَ مُتَبَايِنَاتِهَا، مُقَرِّبٌ بَيْنَ مُتَبَاعِدَاتِهَا، مُفَرِّقٌ بَيْنَ مُتَدَانِيَاتِهَا. لَا يُشْمَلُ بِحَدٍّ، وَ لَا يُحْسَبُ بِعَدٍّ، وَ اِنَّمَا تَحُدُّ الْاَدَوَاتُ اَنْفُسَهَا، وَ تُشِيْرُ الْاٰلَاتُ اِلٰى نَظَآئِرِهَا، مَنَعَتْهَا "مُنْذُ" الْقِدَمِيَّةَ، وَ حَمَتْهَا "قَدُ" الْاَزَلِيَّةَ، وَ جَنَّبَتْهَا "لَوْلَا" التَّكْمِلَةَ! بِهَا تَجَلّٰى صَانِعُهَا لِلْعُقُوْلِ، وَ بِهَا امْتَنَعَ عَنْ نَّظَرِ الْعُيُوْنِ. لَا يَجْرِىْ عَلَيْهِ السُّكُوْنُ وَ الْحَرَكَةُ، وَ كَيْفَ يَجْرِىْ عَلَيْهِ مَا هُوَ

اَجْزَاهُ، وَ يَعُوْدُ فِيْهِ مَا هُوَ اَبْدَاهُ، وَ يَحْدُثُ فِيْهِ مَا هُوَ اَحْدَثَهٗ! اِذًا لَّتَفَاوَتَتْ ذَاتُهٗ، وَ لَتَجَزَّاَ كُنْهُهٗ، وَ لَامْتَنَعَ مِنَ الْاَزَلِ مَعْنَاهُ، وَ لَكَانَ لَهٗ وَرَآءٌ اِذْ وُجِدَ لَهٗ اَمَامٌ، وَ لَالْتَمَسَ التَّمَامَ اِذْ لَزِمَهُ النُّقْصَانُ. وَ اِذًا لَّقَامَتْ اٰيَةُ الْمَصْنُوْعِ فِيْهِ، وَ لَتَحَوَّلَ دَلِيْلًا بَعْدَ اَنْ كَانَ مَدْلُوْلًا عَلَيْهِ، وَ خَرَجَ بِسُلْطَانِ الْاِمْتِنَاعِ مِنْ اَنْ يُّؤَثِّرَ فِيْهِ مَا يُؤَثِّرُ فِيْ غَيْرِهٖ. الَّذِیْ لَا يَحُوْلُ وَ لَا يَزُوْلُ، وَ لَا يَجُوْزُ عَلَيْهِ الْاُفُوْلُ. لَمْ يَلِدْ فَيَكُوْنَ مَوْلُوْدًا، وَ لَمْ يُوْلَدْ فَيَصِيْرَ مَحْدُوْدًا، جَلَّ عَنِ اتِّخَاذِ الْاَبْنَآءِ، وَ طَهُرَ عَنْ مُّلَامَسَةِ النِّسَآءِ. لَا تَنَالُهُ الْاَوْهَامُ فَتُقَدِّرَهٗ، وَ لَا تَتَوَهَّمُهُ الْفِطَنُ فَتُصَوِّرَهٗ، وَ لَا تُدْرِكُهُ الْحَوَاسُّ فَتُحِسَّهٗ، وَ لَا تَلْمِسُهُ الْاَيْدِیْ فَتَمَسَّهٗ. لَا يَتَغَيَّرُ بِحَالٍ، وَ لَا يَتَبَدَّلُ فِی الْاَحْوَالِ، وَ لَا تُبْلِيْهِ اللَّيَالِیْ وَ الْاَيَّامُ، وَ لَا يُغَيِّرُهُ الضِّيَآءُ وَ الظَّلَامُ، وَ لَا يُوْصَفُ بِشَیْءٍ مِّنَ الْاَجْزَآءِ، وَ لَا بِالْجَوَارِحِ وَ الْاَعْضَآءِ، وَ لَا بِعَرَضٍ مِّنَ الْاَعْرَاضِ، وَ لَا بِالْغَيْرِيَّةِ وَ الْاَبْعَاضِ. وَ لَا يُقَالُ لَهٗ حَدٌّ وَّ لَا نِهَايَةٌ، وَ لَا انْقِطَاعٌ وَّ لَا غَايَةٌ، وَ لَا اَنَّ الْاَشْيَآءَ تَحْوِيْهِ فَتُقِلَّهٗ اَوْ تُهْوِيَهٗ، اَوْ اَنَّ شَيْئًا يَّحْمِلُهٗ، فَيُمِيْلَهٗ اَوْ يُعَدِّلَهٗ. لَيْسَ فِی الْاَشْيَآءِ بِوَالِجٍ، وَ لَا عَنْهَا بِخَارِجٍ. يُخْبِرُ لَا بِلِسَانٍ وَّ لَهَوَاتٍ، وَ يَسْمَعُ لَا بِخُرُوْقٍ وَّ اَدَوَاتٍ. يَقُوْلُ وَ لَا يَلْفِظُ، وَ يَحْفَظُ وَ لَا يَتَحَفَّظُ، وَ يُرِيْدُ وَ

لَا يُضْمِرُ. يُحِبُّ وَ يَرْضٰى مِنْ غَيْرِ رِقَّةٍ، وَ يُبْغِضُ وَ يَغْضَبُ مِنْ غَيْرِ مَشَقَّةٍ.

يَقُوْلُ لِمَنْ اَرَادَ كَوْنَهٗ: ﴿كُنْ فَيَكُوْنُ﴾، لَا بِصَوْتٍ يَّقْرَعُ، وَ لَا بِنِدَآءٍ يُّسْمَعُ، وَ اِنَّمَا كَلَامُهٗ سُبْحَانَهٗ فِعْلٌ مِّنْهُ اَنْشَاَهٗ، وَ مِثْلُهٗ لَمْ يَكُنْ مِّنْ قَبْلِ ذٰلِكَ كَآئِنًا، وَ لَوْ كَانَ قَدِيْمًا لَّكَانَ اِلٰهًا ثَانِيًا. لَا يُقَالُ: كَانَ بَعْدَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ، فَتَجْرِیَ عَلَيْهِ الصِّفَاتُ الْمُحْدَثَاتُ، وَ لَا يَكُوْنُ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗ فَصْلٌ، وَ لَا لَهٗ عَلَيْهَا فَضْلٌ، فَيَسْتَوِیَ الصَّانِعُ وَ الْمَصْنُوْعُ، وَ يَتَكَافَاَ الْمُبْتَدَعُ وَالْبَدِيْعُ.

خَلَقَ الْخَلَآئِقَ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ خَلَا مِنْ غَيْرِهٖ، وَ لَمْ يَسْتَعِنْ عَلٰى خَلْقِهَا بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهٖ. وَ اَنْشَاَ الْاَرْضَ فَاَمْسَكَهَا مِنْ غَيْرِ اشْتِغَالٍ، وَ اَرْسَاهَا عَلٰى غَيْرِ قَرَارٍ، وَ اَقَامَهَا بِغَيْرِ قَوَآئِمَ، وَ رَفَعَهَا بِغَيْرِ دَعَآئِمَ، وَ حَصَّنَهَا مِنَ الْاَوَدِ وَ الْاِعْوِجَاجِ، وَ مَنَعَهَا مِنَ التَّهَافُتِ وَ الْاِنْفِرَاجِ. اَرْسٰى اَوْتَادَهَا، وَ ضَرَبَ اَسْدَادَهَا، وَ اسْتَفَاضَ عُيُوْنَهَا، وَ خَدَّ اَوْدِيَتَهَا، فَلَمْ يَهِنْ مَا بَنَاهُ، وَ لَا ضَعُفَ مَا قَوَّاهُ.

هُوَ الظَّاهِرُ عَلَيْهَا بِسُلْطَانِهٖ وَ عَظَمَتِهٖ، وَ هُوَ الْبَاطِنُ لَهَا بِعِلْمِهٖ وَ مَعْرِفَتِهٖ، وَ الْعَالِیْ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مِّنْهَا بِجَلَالِهٖ وَ عِزَّتِهٖ. لَا يُعْجِزُهٗ شَیْءٌ

مِّنْهَا طَلَبَهٗ، وَ لَا يَمْتَنِعُ عَلَيْهِ فَيَغْلِبَهٗ، وَ لَا يَفُوْتُهُ السَّرِيْعُ مِنْهَا فَيَسْبِقَهٗ، وَلَا يَحْتَاجُ اِلٰى ذِىْ مَالٍ فَيَرْزُقَهٗ. خَضَعَتِ الْاَشْيَآءُ لَهٗ، وَ ذَلَّتْ مُسْتَكِيْنَةً لِّعَظَمَتِهٖ، لَا تَسْتَطِيْعُ الْهَرَبَ مِنْ سُلْطَانِهٖ اِلٰى غَيْرِهٖ فَتَمْتَنِعَ مِنْ نَّفْعِهٖ وَ ضَرِّهٖ، وَ لَا كُفْؤَ لَهٗ فَيُكَافِئَهٗ، وَ لَا نَظِيْرَ لَهٗ فَيُسَاوِيَهٗ. هُوَ الْمُفْنِىْ لَهَا بَعْدَ وُجُوْدِهَا، حَتّٰى يَصِيْرَ مَوْجُوْدُهَا كَمَفْقُوْدِهَا. وَ لَيْسَ فَنَآءُ الدُّنْيَا بَعْدَ ابْتِدَاعِهَا بِاَعْجَبَ مِنْ اِنْشَآئِهَا وَ اخْتِرَاعِهَا، وَ كَيْفَ وَ لَوِ اجْتَمَعَ جَمِيْعُ حَيَوَانِهَا مِنْ طَيْرِهَا وَ بَهَآئِمِهَا، وَ مَا كَانَ مِنْ مُّرَاحِهَا وَ سَآئِمِهَا، وَ اَصْنَافِ اَسْنَاخِهَا وَ اَجْنَاسِهَا، وَ مُتَبَلِّدَةِ اُمَمِهَا وَ اَكْيَاسِهَا، عَلٰى اِحْدَاثِ بَعُوْضَةٍ، مَا قَدَرَتْ عَلٰى اِحْدَاثِهَا، وَ لَا عَرَفَتْ كَيْفَ السَّبِيْلُ اِلٰى اِيْجَادِهَا، وَ لَتَحَيَّرَتْ عُقُوْلُهَا فِىْ عِلْمِ ذٰلِكَ وَ تَاهَتْ، وَ عَجَزَتْ قُوَاهَا وَ تَنَاهَتْ، وَ رَجَعَتْ خَاسِئَةً حَسِيْرَةً، عَارِفَةً بِاَنَّهَا مَقْهُوْرَةٌ، مُقِرَّةً بِالْعَجْزِ عَنْ اِنْشَآئِهَا، مُذْعِنَةً بِالضَّعْفِ عَنْ اِفْنَآئِهَا!.

وَ اِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ يَعُوْدُ بَعْدَ فَنَآءِ الدُّنْيَا وَحْدَهٗ لَا شَىْءَ مَعَهٗ، كَمَا كَانَ قَبْلَ ابْتِدَآئِهَا، كَذٰلِكَ يَكُوْنُ بَعْدَ فَنَآئِهَا، بِلَا وَقْتٍ وَّ لَا مَكَانٍ، وَ لَا حِيْنٍ وَّ لَا زَمَانٍ، عُدِمَتْ عِنْدَ ذٰلِكَ الْاٰجَالُ وَ الْاَوْقَاتُ، وَ زَالَتِ السِّنُوْنَ وَ السَّاعَاتُ، فَلَا شَىْءَ اِلَّا الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ الَّذِىْ اِلَيْهِ مَصِيْرُ جَمِيْعِ الْاُمُوْرِ،

بِلَا قُدْرَةٍ مِّنْهَا كَانَ ابْتِدَآءُ خَلْقِهَا، وَ بِغَيْرِ امْتِنَاعٍ مِّنْهَا كَانَ فَنَآؤُهَا، وَ لَوْ قَدَرَتْ عَلَى الْامْتِنَاعِ لَدَامَ بَقَآؤُهَا. لَمْ يَتَكَآءَدْهُ صُنْعُ شَيْءٍ مِّنْهَآ اِذْ صَنَعَهُ، وَ لَمْ يَؤُدْهُ مِنْهَا خَلْقُ مَا خَلَقَهُ وَ بَرَاَهُ، وَ لَمْ يُكَوِّنْهَا لِتَشْدِيْدِ سُلْطَانٍ، وَ لَا لِخَوْفٍ مِّنْ زَوَالٍ وَ نُقْصَانٍ، وَ لَا لِلْاِسْتِعَانَةِ بِهَا عَلٰى نِدٍّ مُّكَاثِرٍ، وَ لَا لِلْاِحْتِرَازِ بِهَا مِنْ ضِدٍّ مُّثَاوِرٍ، وَ لَا لِلْاِزْدِيَادِ بِهَا فِيْ مُلْكِهٖ، وَ لَا لِمُكَاثَرَةِ شَرِيْكٍ فِيْ شِرْكِهٖ، وَ لَا لِوَحْشَةٍ كَانَتْ مِنْهُ. فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَاْنِسَ اِلَيْهَا. ثُمَّ هُوَ يُفْنِيْهَا بَعْدَ تَكْوِيْنِهَا، لَا لِسَاَمٍ دَخَلَ عَلَيْهِ فِيْ تَصْرِيْفِهَا وَ تَدْبِيْرِهَا، وَ لَا لِرَاحَةٍ وَّاصِلَةٍ اِلَيْهِ، وَ لَا لِثِقَلِ شَيْءٍ مِّنْهَا عَلَيْهِ. لَا يُمِلُّهٗ طُوْلُ بَقَآئِهَا فَيَدْعُوَهٗ اِلٰى سُرْعَةِ اِفْنَآئِهَا، لٰكِنَّهٗ سُبْحَانَهٗ دَبَّرَهَا بِلُطْفِهٖ، وَ اَمْسَكَهَا بِاَمْرِهٖ، وَ اَتْقَنَهَا بِقُدْرَتِهٖ. ثُمَّ يُعِيْدُهَا بَعْدَ الْفَنَآءِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ مِّنْهُ اِلَيْهَا، وَ لَا اسْتِعَانَةٍ بِشَيْءٍ مِّنْهَا عَلَيْهَا، وَ لَا لِانْصِرَافٍ مِّنْ حَالِ وَحْشَةٍ اِلٰى حَالِ اسْتِئْنَاسٍ، وَ لَا مِنْ حَالِ جَهْلٍ وَّ عَمًى اِلٰى حَالِ عِلْمٍ وَّ الْتِمَاسٍ، وَ لَا مِنْ فَقْرٍ وَّ حَاجَةٍ اِلٰى غِنًى وَّ كَثْرَةٍ، وَ لَا مِنْ ذُلٍّ وَّ ضَعَةٍ اِلٰى عِزٍّ وَ قُدْرَةٍ.[1]

---

[1] نہج البلاغہ، ط مصر، ج۱، ص ۳۷۶

جس نے اسے کیفیتوں سے متصف کیا وہ اس کی وحدت کا قائل ہی نہیں ہوا[1]

اور جس نے اسے مسلسل دوسری چیزوں کے قرار دیا وہ اس کی حقیقت تک پہنچا نہیں اور جس نے اسے دوسروں سے مشابہ بنایا اس نے اس سے سروکار ہی نہیں رکھا اور جس نے اسے قابل اشارہ سمجھا وہ اس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوا[2]

ہر وہ چیز جو بذات خود پہچانی جاسکے مخلوق ہے[3]

اور ہر وہ شخص جو اپنے علاوہ کسی دوسرے کے اندر قرار پکڑے اپنی ہستی میں اسباب کی محتاج ہے۔ وہ کاموں کا انجام دینے والا ہے بغیر اعضاء وجوارح کی تحریک کے پیمانے مقرر کرنے والا ہے بغیر فکر کی گردش کے۔ دولت مند ہے بغیر تحصیل کئے ہوئے، زمانہ اس کے ساتھ ساتھ رہنے والا نہیں[4]

---

[1] اس لیے کی کیفیات سے متصف ہونا خود حدوث کی نشانی ہے اور جو حادث ہے وہ دوسری اشیاء کی قطار میں ہے۔ پھر وہ واحد احد کہاں رہا جس کی شان سے یہ ہے کہ لیس کمثلہٖ شیء۔

[2] کیونکہ اس کی طرف توجہ اشارہ حسی کے ساتھ تو ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ تو اشارہ عقلی کے ساتھ ہوتی ہے اور جب تعقل ایسے صفات کا کیا جو اس کی ذات پر منطبق نہیں تو یہ اشارہ اس کی طرف نہیں اس کے غیر کی طرف ہوا۔

[3] بذات خود پہچانے جانے والی چیز ایک وہ ہوگی جس کا علم حضور ہی ہو۔ وہ صرف اپنی ذات اور اپنے ادراکات و کیفیات نفسانی ہیں اور دوسرے وہ جس کا احساس کے ساتھ تصور ہو۔ اللہ ہماری ذات سے جدا ہے اور پھر احساس و مشاہدہ سے خارج اس لئے اس کا پہچاننا صرف آثار و دلائل سے بطور استدلال ہوتا ہے۔ بذات خود اسے پہچانا نہیں جاسکتا۔

[4] اس لئے کہ زمانہ فانی ہے اور وہ غیر فانی اور ظاہر ہے کہ فانی غیر فانی کے ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتا۔

اور آلات و ذرائع کی مدد سے اس کے شامل حال نہیں۔ اس کا وجود اجزائے زمانہ کے پہلے۔ اس کی ہستی نیستی سے مقدم[1]

اور اس کی قدامت آغاز کے تصور سے آگے ہے[2]

آلات شعور میں شعور کی طاقت اس نے بخشی ہے، اسی سے پتہ چلا کہ وہ شعور میں آلات کا محتاج نہیں ہے اور چیزوں کے درمیان ضدیت اس نے قائم کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کی کوئی ضد نہیں اور دوسری چیزوں میں اس نے وابستگی پیدا کی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس کی ذات سے وابستہ کوئی چیز نہیں۔ اس نے روشنی کو اندھیری کی، اجالے کو دھندلکے کی، خشکی کو تری کی اور گرمی کو سردی کی ضد بنایا ہے۔ وہ باہم دشمن رکھنے والی چیزوں میں انس و محبت پیدا کرنے والا، جدا جدا چیزوں کو باہم وابستہ کرنے والا، ایک دوسرے کو باہم قریب بنانے والا اور قریب قریب کی چیزوں کا الگ الگ کرنے والا ہے۔ کسی قسم کے حدود و قیود سے اسے گھیرا اور کسی گنتی میں اسے لایا نہیں جاسکتا۔ آلات و ذرائع حد بندی

---

[1] بات یہ ہے کہ نیستی خود تو کوئی امر وجود نہیں اس طور تصور اضافت کے ساتھ ہوتا ہے اور اضافتیں سب حادث ہیں جن سے ذات الٰہی مقدم ہے۔ اس لیے اس کا وجود عدم کے تصور سے بھی مقدم ہے۔

[2] آغاز طرف ابتدا میں شیشے کے آخری حد ہے اور ذات الٰہی محدود نہیں۔ اس لیے آغاز کا تصور اس کی ذات سے متعلق نہیں ہو سکتا۔

کرتے ہیں تو اپنی ہی ایسی چیزوں کی اور اشارہ کرتے ہیں اس کا ہمیشہ ہمیشہ سے ہو نا "سے" مانع ہے[1]۔

اور اس کا ازلی ہو نا "ہوا ہے" سے روکتا ہے[2]۔

اور اس کا کمال ذات "اگر مگر" سے سد راہ ہے[3]

اسی کائنات کی بدولت اس کائنات کا خالق عقلوں کے سامنے جلوہ نما ہے اور اسی کی تقاضا سے وہ آنکھوں کی نگاہ سے اوجھل ہے[4]

سکون اور حرکت کوئی اس کے لئے ثابت نہیں اور بھلا اس کے لئے ثابت ہی کیونکر ہو سکتی ہے وہ چیز جسے خود اس نے وجود عطا کیا ہے اور اس طرح راجع ہی کیونکر ہو سکتی ہے وہ شے جس کا آغاز خود اسی نے کیا ہے اور اس میں کیونکر پیدا ہو سکتا ہے

---

[1] "سے" کی لفظ کسی شے کی خدا کو بتاتی ہے لہٰذا جو ہمیشہ سے ہو اس کے لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب سے ہے۔

[2] "ہوا ہے" ماضی قریب کا صیغہ ہے جس کے لیے عربی میں "قد" آتا ہے اور یہ صیغہ شیئ حادث ہی کے لیے استعمال ہو سکتا ہے جو نیست کے بعد ہست ہوئی ہو۔ اللہ ازلی ہے یعنی نیستی سے بری ہے۔ اس لیے اس کے لیے "قد" کی لفظ کا استعمال صحیح نہیں ہے۔

[3] جس چیز میں کوئی نقص ہو گا اس کی جب تعریف کریں تو کہنا پڑے گا کہ اگر یوں نہ ہوتا تو اچھا تھا یا سب اچھائیاں ہیں مگر یہ برائی بھی ہے لیکن خدا کی ذات میں نقص کا کوئی شائبہ نہیں لہٰذا اگر مگر کی گنجائش نہیں۔

[4] اسی کائنات کے سبب عقلوں کے لیے روشن ہے۔ بطور استدلال اس اعتبار سے کہ اثر مؤثر کا پتہ دیتا ہے اور اسی کا تقاضا یہ ہے کہ آنکھوں سے اوجھل ہو کیونکہ اس کائنات کا امکان جو واجب الوجود کی احتیاج پیدا کرنے والا ہے متقاضی ہے کہ ذات واجب ان نقائص امکانی سے منزہ و مبرا ہو۔

وہ جسے اس نے پیدا کیا ہے۔ اس وقت تو اس کی ذات میں اختلاف ہو جائے اور اس کی کنہ حقیقت کا تجزیہ ہو جائے اور اس کے معنی یہ ہوں کہ اسکی ازلیت ختم ہو جائے[۱]

اور اس کے پیچھے بھی کچھ ہو جبکہ اس کے آگے کوئی چیز ہو گئی[۲]

اور وہ تمامیت کا محتاج ہو جبکہ اس میں نقصان ثابت ہو جائے اور پھر اس میں مخلوق کی نشانی نمایاں ہو جائے اور وہ کسی اور کا پتہ دینے لگے جبکہ اسی کا پتہ دیا جا رہا تھا[۳]

وہ اپنے جلال ذات کی بنا پر اس سے بری ہے کہ اس میں وہ چیزیں اثر کرنے لگیں جو اس کے غیر میں اثر انداز ہوتی ہیں۔ وہ وہ ہے جس کے لئے تغیر و زوال نہیں۔

---

[۱] مذکورہ بالا تمام جملے بلند پایہ ادبی انداز میں اس کلامی و معقولی حقیقت کا بیان ہے کہ وہ محل حوادث نہیں ہے ورنہ خود اس کی ذات میں تغیر و حدوث لازم ہوگا۔

[۲] یعنی جب وہ ازلی نہ رہا اور حادث ہو گیا تو بالذات ابدی بھی نہ ہوگا بلکہ فانی ہوگا کیونکہ فنا سے مانع تو واجب الوجود ہونا ہے اور حدوث کے ساتھ امکان لازمی ہے پھر فنا سے کون امر مانع ہے۔

[۳] کائنات تمام خالق کا پتہ اسی لئے تو دیتی ہے کہ وہ حادث ہے اور اسے موجد کی ضرورت ہے۔ اب اگر خداوند عالم بھی حادث قرار پائے تو پھر کسی اور موجد کا پتہ دے گا۔

جس کے چمکتے ہوئے سورج کے لئے غروب نہیں۔ اس کے کوئی اولاد نہیں کہ اس کے لئے بھی کسی کی اولاد ہونے کا سوال پیدا ہو[1]

اور وہ کسی کی اولاد نہیں ورنہ محدود ہو جائے[2]

وہ اپنے لئے بیٹا قرار دینے سے بالاتر اور عورتوں کے پاس جانے سے پاک ہے۔

خیالات اسے پا نہیں سکتے کہ اس کا کوئی پیمانہ مقرر کر لیں اور عقول اسے توہمات کی آماجگاہ نہیں بنا سکتے کہ اس کی صورت گری کریں۔ احساسات اسے پا نہیں سکتے کہ جو اس کے دائرہ میں مقید کر لیں اور ہاتھ اس تک پہنچ نہیں سکتے کہ اسے چھو لیں۔ وہ کسی حالت میں ادلتا بدلتا نہیں اور اس کے حالات میں نیرنگی نہیں۔ شب و روز کا گذرنا اس میں کہنگی و بوسیدگی پیدا نہیں کرتا اور روشنی اور تاریکی اس میں فرق نہیں کرتی۔ کسی طرح کے اجزاء یا اعضاء و جوارح یا کسی قسم کے عرض یا کسی دوسری شے سے امتیاز[3]

---

[1] ایک جز و ہستی کے الگ ہونے سے جس کا وجود ہو وہی اولاد ہے۔ اس لئے اولاد ہونے سے اجزاء کا ثبوت اور اجزاء کے ثبوت سے اس کا حدوث لازم ہے اور جب وہ حادث ہوا تو پھر اس کا بھی دوسرے کی اولاد ہونا قابل انکار امر نہیں ہے۔

[2] زمان کے لحاظ سے بھی اور مکان کے لحاظ سے بھی اور تمام کمالات کے لحاظ سے بھی۔

[3] امتیاز کا سوال اشتراک کی صورت میں پیدا ہوتا ہے اور اس کی ذات کا دوسروں سے کسی بات میں اشتراک ہی نہیں پھر امتیاز کا سوال کیا۔

یا کسی قسم کے حصص واقسام کے ساتھ اس کا وصف نہیں ہو سکتا اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے لئے کوئی انتہا، اختتام اور آخری منزل ہے۔ نہ یہ کہ دوسری چیزیں اس پر حاوی ہو سکتی ہیں کہ اسے اونچا کریں یا نیچا، یا یہ کہ کوئی چیز اس کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہے کہ اسے ٹیڑھا کرے یا سیدھا۔ وہ دوسری چیزوں کے اندر سمایا ہوا نہیں ہے اور نہ ان سے باہر ہے۔ وہ کلام کرتا ہے مگر زبان اور دہن کے ساتھ نہیں اور سنتا ہے مگر کان اور اس کے پردہ کے ساتھ نہیں۔ وہ جو کہتا ہوتا ہے اسے کہتا ہے مگر تلفظ کے ساتھ نہیں اور محفوظ رکھتا ہے مگر حفظ کرنے کی زحمت کے ساتھ نہیں۔ ارادہ کرتا ہے مگر ضمیر و دل کے ساتھ نہیں۔ وہ محبت کرتا ہے اور راضی ہوتا ہے مگر نرم دلی کی کیفیت کے ساتھ نہیں اور دشمن رکھتا ہے اور غضبناک ہوتا ہے مگر طبیعت کے اوجھل ہونے کے ساتھ نہیں ۔

جس چیز کو چاہتا ہے ہو جائے اسے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے مگر یہ کسی آواز سے نہیں ہوتا جو کہیں ٹکرائے۔ نہ کسی پکار سے جو سنائی دے بلکہ اس کا کلام فقط اس کا ایک فعل ہے جسے وہ پیدا کرتا ہے اور وہ اس کے پہلے موجود نہیں ہوا کرتا اگر وہ قدیم ہوتا تو دوسرا خدا بن جاتا[1]

---

[1] یہ کلام الٰہی کے قدیم ہونے کی رد ہے۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ پہلے نہ تھا اس کے بعد ہوا کہ اس طرح اس پر حادث قسم کی صفتیں منطبق ہونے لگیں گی اور اس میں اور دیگر کائنات میں کوئی فرق نہ ہو گا۔ نہ اسے ان پر کوئی فوقیت ہو گی۔ اس طرح خالق اور مخلوق اور موجد اور ایجاد کردہ اشیاء برابر ہو جائیں گے۔ اس نے مخلوقات کو پیدا کیا بغیر کسی نمونہ کے جو پہلے کسی دوسرے سے وجود میں آ چکا ہو اور ان کی تخلیق میں اس نے اپنے مخلوقات میں سے کسی کی امداد حاصل نہیں کی۔

وہ اپنی طاقت و اقتدار کے ساتھ ان سب پر غالب اور اپنی دانائی اور شناخت کے ساتھ ان کے اندر پیرا ہوا اور اپنی جلالت و بزرگی کے ساتھ ان سب سے بالا ہے۔ ان میں سے کوئی چیز جس کے پیچھے وہ پڑے اسے بے بس نہیں بنا سکتی اور نہ اس کے قابو میں آنے سے انکار کر کے اس کے مقابلے میں کامیاب ہو سکتی ہے اور کتنی ہی تیز رفتار ہو اس سے آگے نکل نہیں سکتی۔ وہ کسی مالدار کا محتاج نہیں کہ وہ اسے روزی پہنچائے۔ تمام چیزیں اس کے سامنے جھکی ہوئی اور اس کا عظمت کا اقرار کرتی ہوئی اور اس کے سامنے سرنگون ہیں۔ وہ اس کے اقتدار سے نکل کر کسی اور کی طرف بھاگ نہیں سکتیں کہ اس طرح اس کے نفع اور ضرر سے بے نیاز ہو جائیں اور اس کا کوئی مد مقابل نہیں کہ وہ اس کی ہمسری کرے اور نہ کوئی مثل ہے کہ اس سے برابری کرے۔ وہ ان سب کو ہستی کے بعد نیست کرنے والا ہے یہاں تک کہ ان میں کی ہر بود نابود کی مانند ہو جائے۔

اور بے شک حضرت احدیّت دنیا کو ختم کرنے کے بعد پھر اسی طرح ایک اکیلا رہ جائے گا جس طرح وہ اس کے پیدا کرنے کے قبل تھا۔ یونہی اس کو فنا کرنے کے بعد وہ رہے گا جس کے لئے نہ کوئی وقت ہوگا، نہ جگہ، نہ مدت، نہ زمانہ۔ اس وقت مدت، وقت سال اور ساعتیں سب ختم ہو چکے ہوں گے۔

کوئی چیز نہ ہو گی سوائے اس اکیلے غالب وہ طاقتور کے جس کی طرف تمام معاملات کو ہر پھر کر جاتا ہے۔ شروع شروع بھی یہ کائنات بغیر اپنی قدرت و اختیار کے پیدا ہوئی تھی اور بے بسی ہی کے ساتھ اسے فنا بھی ہونا ہے اور اگر وہ اس سے انکار کی قدرت رکھتی تو ہمیشہ باقی ہی کیوں نہ رہتی[1]

کسی شے کو بھی جب اس نے بنایا تو اس کی صنعت گری میں اسے دشواری پیش نہیں آئی اور کسی مخلوق کے پیدا کرنے میں اسے زحمت کا سامنا نہیں ہوا اور اس نے یہ سب کائنات کسی اقتدار کو مضبوط کرنے کے لئے نہیں بنائی۔ اور نہ کسی تباہی و نقصان کے اندیشہ سے، نہ کسی مد مقابل کے مقابلہ میں، ان سے سہارا لینے کے لئے اور نہ کسی حملہ آور غنیم سے بچاؤ کی خاطر، نہ اپنے حدود میں اضافہ کے خیال سے، نہ کسی شریک کار پر اپنی فوقیت ثابت کرنے کو اور نہ اس بنا پر کہ اس کا دم گھبرا رہا ہو تو اس نے چاہا ہو کہ ان سے اسے دل بستگی ہو۔

---

[1] اس لیے کہ وجود محبوب ہے پھر عدم اس کے مقابلے میں اختیار ہی کیونکر کیا جاسکتا ہے۔

پھر وہ پیدا کر چکنے کے بعد ان سب کو فنا کر دے گا۔ نہ ان کے انتظام اور بندوبست سے اکتانے کی وجہ سے اور نہ کسی آرام و راحت کے لئے جو اسے درکار ہے۔ اور نہ کسی بوجھ کی وجہ سے جو ان میں سے کسی چیز سے اس پر پڑ رہا ہے۔ نہ ان اشیاء کا عرصہ تک باقی رکھنا اس کی کبیدہ خاطری کا سبب ہے جو اس کے جلد فنا کر دینے کا باعث ہو۔ بلکہ اس نے اس کے بندوبست کو اپنے فضل و کرم سے اور اس کی روک تھام کو اپنے حکم سے اور اس کے استحکام کو اپنی قدرت سے وابستہ کر رکھا ہے۔

پھر فنا کرنے کے بعد وہ دوبارہ اسے پیدا کرتا ہے نہ اس لئے کہ اسے ان کی کوئی احتیاج ہے اور نہ اس میں سے کسی چیز سے دوسرے اشخاص کے مقابلہ میں مدد حاصل کرنے کے لئے اور نہ اس لئے کہ دم گھبرانے لگا تو اسے پھر دل بہلانے کی ضرورت ہوئی اور نہ یہ کہ اسے خبر نہ تھی اور وہ تاریکی میں تھا۔ اب اسے علم ہوا اور جستجو پیدا ہوئی اور نہ یہ کہ وہ فقیر و محتاج تھا اب اسے دولت و قدرت حاصل ہو گئی اور نہ یہ کہ وہ بے بس و بے کس تھا اب اسے عزت و قدرت مل گئی[1]

---

[1] افعال بشر میں تنوع اکثر ان کے جذبات و خیالات کے اختلاف سے ہوتا ہے اور چونکہ وہ خود مجموعہ جات ہیں اس لئے ان کے ہر فعل میں کچھ نہ کچھ اپنی ذاتی غرض ہوتی ہے جس کا فائدہ خود ان کی طرف عائد ہو اور ان کے لحاظ سے دنیا کو پیدا کرنے پھر فنا کرنے اور پھر دوبارہ پیدا کرنے میں اس قسم کے اسباب ہو سکتے ہیں جن کی خداوند عالم سے نفی کی گئی ہے کیونکہ وہ غنی بالذات اور بے نیاز مطلق ہے۔ اس کا کوئی فعل جذبات اور اپنے ذاتی اغراض کی بنا پر نہیں ہوتا۔

(۱۹)

خطبہ ۱۹۳

وَاِنَّهٗ لَبِكُلِّ مَكَانٍ، وَفِيْ كُلِّ حِيْنٍ وَّاَوَانٍ، وَمَعَ كُلِّ اِنْسٍ وَّ جَانٍّ، لَا يَثْلِمُهُ الْعَطَآءُ، وَ لَا يَنْقُصُهُ الْحِبَآءُ، وَ لَا يَسْتَنْفِدُهٗ سَآئِلٌ، وَ لَا يَسْتَقْصِيْهِ نَآئِلٌ، وَلَا يَلْوِيْهِ شَخْصٌ عَنْ شَخْصٍ، وَلَا يُلْهِيْهِ صَوْتٌ عَنْ صَوْتٍ، وَلَا تَحْجُزُهٗ هِبَةٌ عَنْ سَلْبٍ، وَلَا يَشْغَلُهٗ غَضَبٌ عَنْ رَّحْمَةٍ، وَلَا تُوْلِهُهٗ رَحْمَةٌ عَنْ عِقَابٍ، وَ لَا يُجِنُّهُ الْبُطُوْنُ عَنِ الظُّهُوْرِ، وَ لَا يَقْطَعُهُ الظُّهُوْرُ عَنِ الْبُطُوْنِ. قَرُبَ فَنَاٰى، وَعَلَا فَدَنَا، وَظَهَرَ فَبَطَنَ، وَبَطَنَ فَعَلَنَ، وَدَانَ وَ لَمْ يُدَنْ، لَمْ يَذْرَاِ الْخَلْقَ بِاحْتِيَالٍ، وَلَا اسْتَعَانَ بِهِمْ لِكَلَالٍ.[1]

وہ ہر جگہ ہے اور ہر وقت و زمانہ میں اور ہر آدمی اور جن کے ساتھ فیض و عطا اس میں کوئی کمی نہیں کرتا، برابر دیتے رہنا اسے کبیدہ خاطر نہیں بناتا، کوئی مانگنے والا اس کے خزانے کو ختم نہیں کر سکتا اور کوئی عطیہ اس کے مقدور کی انتہا تک نہیں پہنچ سکتا۔

---

[1] نہج البلاغہ، ط مصر، ج ا، ص ۴۲۸

ایک شخص دوسرے شخص سے اسے غافل اور ایک آواز دوسری آواز سے اسے بے خبر نہیں بناتی۔ اسے عطا کی رو نعمت کے سلب کرنے سے نہیں روکتی اور غیظ و غضب کا غلبہ اسے رحم و کرم سے سدراہ نہیں اور رحم و کرم کا وفور سزا دینے سے غافل نہیں بناتا[1]۔

اور اندر کی چیزیں اس کی نظر سے ظاہری پہلووں کو اوجھل نہیں کرتیں اور نہ ظاہری پہلو اسے اندرونی پہلووں سے غیر متعلق بناتے ہیں۔ وہ قریب ہو کر پھر دور ہے اور بلند ہو کر پاس ہے اور نمایاں ہو کر پوشیدہ ہے اور پوشیدہ ہو کر نمایاں ہے۔ وہ دوسروں سے جواب طلب کر سکتا ہے اور اس سے جواب طلب کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

اس نے خلق کو اس طرح نہیں پیدا کیا کہ اس میں ترکیبوں کی ضرورت پڑی ہو[2]

---

[1] افعال جب جذبات کے ماتحت ہوں تو ایسا ہو گا کہ کسی شخص کو ایک وقت عطا کی رد ہوئی تو اب جس سے نعمتوں کے سلب کرنے کی ضرورت ہے اس سے بھی اس وقت وہ چشم پوشی کر دے گا۔ کسی وقت جب غیظ و غضب کا غلبہ ہے تو جو شخص بیچارہ رحم و کرم کا حقدار ہے وہ بھی اس کی زد میں آ جائے گا اور رحم و کرم کا وفور ہو گیا تو اب ایک شخص جو سزا کا مستحق ہے وہ بھی سزا سے بچ گیا۔ خداوند عالم کے افعال چونکہ از روئے جذبات نہیں بلکہ بربنائے حکمت ہوتے ہیں، وہاں یہ بات نہیں ہو سکتی۔

[2] ترکیبیں اور طرح طرح کی تدبیریں سوچنے کی ضرورت اسے پڑتی ہے جس کی قدرت کامل نہ ہو اور اللہ کے لئے کوئی مشکل مشکل نہیں ہے اس لیے کہ اس کی قدرت کامل ہے لہٰذا ہر شے اس کے لئے آسان ہے اس کے واسطے کسی ترکیب سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور نہ اس کا سہارا لیا اس لئے کہ وہ تھک کر عاجز آ گیا ہو۔

(۲۰)

خطبہ ۱۹۶

يَعْلَمُ عَجِيْجَ الْوُحُوْشِ فِي الْفَلَوَاتِ، وَ مَعَاصِيَ الْعِبَادِ فِي الْخَلَوَاتِ، وَ اخْتِلَافَ النِّيْنَانِ فِي الْبِحَارِ الْغَامِرَاتِ، وَ تَلَاطُمَ الْمَآءِ بِالرِّيَاحِ الْعَاصِفَاتِ. [1]

وہ بیابانوں میں وحشی جانوروں کی چیخ و پکار، تنہائیوں میں بندوں کے سوء کردار، گہرے دریاؤں میں مچھلیوں کی آمدورفت اور تیز آندھیوں سے پانی کے تھپیڑوں ان سب چیزوں کو جانتا ہے۔

---

[1] نہج البلاغہ، ط مصر، ج ۱، ص ۴۳۳

(۲۱)

خطبہ۲۱۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ عَنْ شَبَهِ الْمَخْلُوْقِيْنَ، الْغَالِبِ لِمَقَالِ الْوَاصِفِيْنَ، الظَّاهِرِ بِعَجَآئِبِ تَدْبِيْرِهٖ لِلنَّاظِرِيْنَ، الْبَاطِنِ بِجَلَالِ عِزَّتِهٖ عَنْ فِكْرِ الْمُتَوَهِّمِيْنَ، الْعَالِمِ بِلَا اكْتِسَابٍ وَّ لَا ازْدِيَادٍ، وَ لَا عِلْمٍ مُّسْتَفَادٍ، الْمُقَدِّرِ لِجَمِيْعِ الْاُمُوْرِ بِلَا رَوِيَّةٍ وَّ لَا ضَمِيْرٍ، الَّذِیْ لَا تَغْشَاهُ الظُّلَمُ، وَ لَا يَسْتَضِیْٓءُ بِالْاَنْوَارِ، وَ لَا يَرْهَقُهٗ لَيْلٌ، وَ لَا يَجْرِیْ عَلَيْهِ نَهَارٌ، لَيْسَ اِدْرَاكُهٗ بِالْاِبْصَارِ، وَلَا عِلْمُهٗ بِالْاِخْبَارِ.[1]

سب تعریف اللہ کے لئے جو مخلوقات کی شباہت سے بالاتر اور ثناء وصفت کرنے کی گفتگو پر غالب ہے[۲]

جو حسن انتظام کے عجیب وغریب کرشموں سے دیکھنے والوں کے سامنے نمایاں اور اپنی کبریائی کی عظمت کے ساتھ تصور کرنے والوں کی فکر سے بھی پوشیدہ ہے۔

---

[۱] نہج البلاغہ، ط مصر، ج۱، ص ۴۵۵

[۲] یعنی اپنے لامحدود کمال سے ان کی قوت اظہار کو شکست دے دیتا ہے۔

جو بغیر تحصیل، بغیر اضافہ، بغیر کسی اور سے استفادہ کئے ہوئے علم کے عالم ہے،
جو تمام امور کے پیمانے مقرر کرنے والا ہے بغیر غور و فکر اور بغیر ذہن کے[1]

وہ وہ ہے جس پر تاریکیاں پردہ نہیں ڈالتی اور روشنیوں سے وہ کسب ضائع نہیں کرتا۔ رات اسی کو ڈھانپتی نہیں اور دن اس پر چھاتا نہیں۔ اس کا علم نگاہوں کے ذریعہ سے نہیں اور اس کا علم[2] اطلاعات کی بنا پر نہیں۔

[1] ذہن بھی قوائے جسمانیہ میں سے ہے اور اللہ جسمانیات سے بری ہے۔
[2] یہ اضافت فاعل کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور مفعول کی طرف بھی۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اسے جو علم ہے وہ ذرائع جسمانی سے نہیں ہے اور نہ دوسروں کے دئے ہوئے اطلاعات کے ذریعہ سے۔ جس طرح دنیا کے بادشاہوں کو ہوتا ہے اور دوسری صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ اس کی معرفت آنکھوں سے دیکھ کر نہیں ہے اور نہ ایلوں سے مل کر جنہوں نے اسے دیکھا ہو کیونکہ اس کی رویت محال ہے ہمارے لئے بھی اور ہم سے پہلے والوں کے لئے بھی۔

اختتامی تبصرہ

الٰہیات کے سو مسئلے

نہج البلاغہ کے اس حصہ پر جو الٰہیات سے متعلق ہے اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دور امیرالمومنین علیہ السلام سے اس وقت تک چودہ سو سال کے قریب مدت میں مشرق اور مغرب کے حکماء و الٰہیین کے تمام تحقیقات انہی مسائل کے اندر گردش کرتے رہے ہیں جن پر امیرالمؤمنین علیہ السلام نے اپنے کلام میں روشنی ڈال دی ہے اور آج تک علم ایک سر مو بھی اس کے آگے نہیں بڑھ سکا ہے۔

ہم اس وقت سرکار مرتضوی (علیہ السلام) کی ولادت کی چہاردہ صد سالہ یادگار کے موقع پر صرف ان مسائل کی فہرست مرتب کئے دیتے ہیں۔ اگر اس یادگار کے سلسلہ میں مشرقی اور مغربی افکار پر نظر رکھنے والوں کی ایک جمعیت بن جائے جو اس فہرست کے مطابق فلاسفہ مشرق و مغرب کے افکار کو ان مسائل کے متعلق جمع کرکے ان پر تفصیلی تبصرہ کرے جس میں بلاشبہ امیرالمومنین علیہ السلام کا کلام "امام الکلام" ہوگا جو تضاد و اختلاف سے پیدا شدہ تاریکیوں میں آفتاب حقیقت بن کر چمکے گا۔ تو یہ اس یادگار کے سلسلہ میں ایک شایان شان کارنامہ قرار پاسکتا ہے۔

چہاردہ سالہ یادگار مرتضوی کے موقع پر یہ رسالہ جو پیش کیا جارہا ہے ایک عظیم الشان سلسلہ کا آغاز ہے۔

جناب سید رضی اعلی اللہ مقامہ کا یہ یادگار کارنامہ تھا کہ انہوں نے امیر المؤمنین علیہ السلام کے کلام کو جس کے لئے ادباء کا یہ مقولہ ہے کہ وہ "تحت کلام الخالق و فوق کلام المخلوق" ہے، یکجا کر کے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا مگر یہ ضرورت شدید طور پر محسوس ہوتی تھی کہ اسے موضوعات کی ترتیب کے ساتھ مرتب و مدون کیا جاتا۔

اب جناب سید العلماء مدظلہٗ نے اس کارنامہ کی ابتدا کر دی ہے جس کا پہلا حصہ جو الہیات کے عظیم مسائل پر مشتمل ہے "ثنائے پروردگار" کے زیر عنوان پیش کیا جارہا ہے۔ اس کے ساتھ ترجمہ اور مختصر حواشی بھی سرکار سید العلماء کے قلم سے ہیں جو عظیم ادبی اور علمی خصوصیات کے حامل ہیں۔

امید ہے کہ افراد قوم اس رسالہ کی صحیح طور پر قدر کریں گے اور اس کی بیش از بیش اشاعت کی کوشش فرمائیں گے۔

خادم ملت

سید ابن حسین نقوی سیکرٹری امام مشن لکھنؤ

۱۳ رجب ۱۳۷۶ ھ

فاستبقوا الخیرات

مرکز افکار اسلامی